مولانا ثناءاللہ امرتسریؒ کے تفردات، امتیازات و مختارات
(تفسیر ثنائی کی روشنی میں)

پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج
ڈین، کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

ABSTRACT:

Maulana Sanaullah Amratsari (1948) was a great Muslim scholar of sub-continent. He was a translator of Quran and a Quranic researcher but he was famous as an arguer of Islam (Munazir-e-Islam). In his book 'Tafsir-e- Sanai', he proved his uniqueness regarding various Islamic teachings. His Tafseer being concised is also perfect and shows completeness. Not only it appeared according to the needs of that period, when it was written, but also the period of 80 years has not diluted its effectiveness. In short, the time has not affected its freshness. Although, language used in it is quite old, but not too old, which might have affected its meaning. I have chosen his uniqueness (tafarrudat), distinguishness (imtiazaat) and choices (mukhtaraat) from 42 places, in the following thesis.

Through this work, the understanding of Quranic teachings will flourish and many translators and explainers of Quran (mufasserin) will also be benefitted from this work.

تفسیر ثنائی کے مفسر ابوالوفا ثناء اللہ امرتسریؒ (متوفے 1948ء) ہیں۔ یہ تفسیر ۱۹۱۳ء میں پہلی مرتبہ طبع ہوکر منظر عام پر آئی۔ اس کی ابتدائی جلد سرسید احمد خانؒ کی زندگی میں شائع ہوئی۔ اس جلد میں سرسید احمد خانؒ کے نظریات کا علمی تعاقب کیا گیا تھا۔ اغلب گمان ہے کہ سرسید احمد خانؒ نے وہ جلد ضرور دیکھ لی ہوگی۔ بہر حال مولانا ثناءاللہ امرتسریؒ، عالم اسلام کے سربرآوردہ عالم دین گزرے ہیں۔ متعدد کتب و رسائل کے مصنف و مؤلف و محقق ہیں۔ مناظر کی حیثیت سے برصغیر کے معروف علماء میں شمار ہوتا تھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا رد بلیغ تحریر و تقریر ہر دو میں کیا۔ حد تو یہ ہے کہ مرزا سے مناظرہ کرنے خود قادیان چلے گئے۔ گو مرزا، میدان میں نہ آئے۔ بعد میں مرزا نے اپنی کتاب 'اعجاز احمدی' میں ثناءاللہ امرتسریؒ کے بارے میں لکھا کہ اس نے مجھے بہت پریشان کیا ہے۔ اس سے مولانا امرتسریؒ کی علمیت، قابلیت اور اسلام سے ان کی جذباتی و علمی وابستگی کا پتہ چلتا ہے۔ ثناءاللہ امرتسری نے تفسیر ثنائی کے نام سے آٹھ مختصر جلدوں میں ایک تفسیر یادگار چھوڑی ہے۔ جس کی مجموعی ضخامت 1522 صفحات بنتی ہے۔ یہ تفسیر اپنی عہد سے آج تک اپنی بعض خصوصیات کے باعث بالکل منفرد ہے۔ مفسر، بنیادی طور پر اہلحدیث مسلک کے عالم تھے۔ بعد میں انہوں نے دارالعلوم دیوبند اور پھر ایک اور مدرسہ فیض عام کانپور میں از ابتداء تا انتہا، تمام کتب پڑھیں۔ اس طرح انہیں تین مسلکوں سے کسب فیض کا پورا پورا موقع ملا جس نے انہیں صحیح معنی میں اسلام کا عالم بنایا۔ ان کی تمام کتابیں بشمول تفسیر قرآن اسی مسلک اسلام کی زائندہ ہیں۔ ضرورت ہے کہ تفسیر ثنائی کے امتیازات تفردات، اور رجحانات پر ایک مبسوط تحقیقی مقالہ لکھا جائے۔ سر دست مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند تفردات، امتیازات اور رجحانات پیش خدمت ہیں۔

(۱)

افتطمعون ان یؤمنوا لکم وقد کان فریق منھم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وھم یعلمونO (سورۃ البقرہ ۷۵:۲)

کیا تم امید رکھتے ہو کہ تمہاری باتیں مان لیں گے۔ حالانکہ ایک گروہ ان میں سے ایسا ہے کہ کلام الٰہی کو سن کر پھیر لیتے ہیں بعد سمجھنے کے، حالانکہ وہ جانتے ہیں۔ (مولانا امرتسریؒ)

بعض مترجمین کے تراجم اور مولانا امرتسریؒ کے ترجمہ میں بجز لفظی فرق کے زیادہ مابہ الامتیاز نہیں ہے۔ مگر یسمعون کلام اللہ کی تفسیر (کلام الٰہی کو سن کر) پر جو حاشیہ تحریر فرمایا گیا ہے اس میں ان کا تفرد واضح ہے، دیگر مفسرین نے کلام الٰہی میں تحریف کرنے والوں کا مشار الیہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان ہمراہیوں کو ٹھہرایا ہے جو ان کے ساتھ کلام الٰہی سننے کے لیے کوہ طور پر گئے تھے اور واپس آکر بنی اسرائیل کو جو کلام سنایا تھا، اس میں اپنی طرف سے بھی کچھ اضافہ کر دیا تھا۔ مولانا امرتسریؒ نے اگرچہ اس توجیہہ کو نقل کیا ہے لیکن ساتھ ہی دوسری توجیہہ میں اس کی تردید کر کے اپنا تفرد واضح کر دیا ہے۔ اس ضمن میں پہلے بعض مفسرین کے اقوال ملاحظہ کیجئے۔

مولانا محمود حسنؒ نے لکھا ہے۔

"فریق سے مراد وہ لوگ ہیں جو کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام الٰہی سننے کیلئے گئے تھے۔

> انہوں نے وہاں سے آکر یہ تحریف کی کہ بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ تمام کلام کے آخر میں ہم نے یہ بھی سنا کہ (کرسکو تو ان احکام کو کرلینا ورنہ ان کے ترک کا بھی تم کو اختیار ہے)............اور بعض نے فرمایا کہ کلام الٰہی سے مراد توریت ہے اور تحریف سے مراد یہ ہے کہ (اس کی آیات میں تحریف لفظی و معنوی کرتے تھے) کبھی آپ کی نعت کو بدلا، کبھی کبھی رجم کو اڑا دیا۔"[۱]

اس عبارت میں مولانا محمود حسنؒ نے بانداز خفی اس توجیہ کو بھی لیا ہے، جسے مولانا امرتسریؒ نے وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مگر مولانا محمود حسنؒ نے اسے بعض کا قول کہہ کر نقل کیا ہے یعنی اسے اپنا مختار نہیں بنایا جبکہ امرتسری صاحبؒ نے اسے اپنا مختار قرار دیا ہے۔ البتہ شاہ عبدالحق حقانیؒ نے اپنی تفسیر میں جس قول کو صحیح قرار دیا ہے وہ وہی ہے، جسے مولانا امرتسریؒ نے اپنا موقف بنا کر پیش کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

> "بعض کہتے ہیں کہ موسیٰ کے بعد علماء یہود نے اپنے اغراض نفسانیہ سے توراۃ میں تحریف کی چنانچہ حضرت عیسیٰ کی بشارت کو تاویلات اور الفاظ کی کمی زیادتی کرکے بدل دیا اس لیے حواری عہد عتیق کے حوالے دیتے ہیں۔ حالانکہ ان میں وہ حوالے نہیں پائے جاتے۔ کسی کتاب عہد عتیق میں نہیں کہ عیسیٰ ناصری کہلائے گا۔ حالانکہ حواری کہتے ہیں کہ انبیاء یہ بات فرما گئے اور بہت سے شواہد ہیں، اور اس طرح جناب رسول خدا ﷺ کی بشارات میں تصرف بے جا کیا اور یہی قول صحیح ہے۔"[۲]

مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی اپنے حاشیہ میں لکھا ہے:

> "بنی اسرائیل کے گزشتہ ایام و وقائع کے ذکر کے بعد ان کے موجودہ اعمال و اقوال پر تبصرہ، ان کی اعتقادی اور عملی گمراہیوں کی تشریح اور دین الٰہی کے نہج و براہین۔"[۳]

مگر انہوں نے اس آیت کا ترجمہ صیغۂ ماضی میں کیا ہے۔ حالانکہ آیت کا اسلوب صیغۂ مضارع میں ہے جو زمانۂ حال و استقبال دونوں کو شامل ہے۔ ابوالکلام آزاد کے ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں۔

> "حالانکہ ان میں ایک گروہ ایسا تھا، جو اللہ کا کلام سنتا تھا اور اس کا مطلب سمجھتا تھا لیکن پھر بھی جان بوجھ کر اس میں تحریف کر دیتا تھا (یعنی اس کا مطلب بدل دیتا تھا)"[۴]

اسی طرح کا ترجمہ شاہ عبدالحق حقانیؒ اور مولانا محمود حسنؒ کے یہاں بھی کیا گیا ہے۔ جبکہ مولانا امرتسریؒ کا ترجمہ زمانۂ حال میں کیا گیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

> "حالانکہ ایک گروہ ان میں سے ایسا ہے کہ کلام الٰہی کو سن کر پھیر لیتے ہیں۔ بعد سمجھنے کے، حالانکہ وہ جانتے ہیں"[۵]

اور اپنا موقف دوسری توجیہ کو قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ لوگ (محرفین کلام الٰہی) آنحضرت کے عہد ہدایت مہد میں تھے، انہیں

دوسرے معنوں کی آئندہ آیت تائید کرتی ہے۔ کیونکہ جو حال اگلی آیت میں بیان ہوا ہے وہ کسی طرح ان لوگوں پر صادق نہیں آسکتا جو حضرت موسیٰ کے ہمراہ تھے۔ پس اس صورت میں یہ مشکل پیش آئے گی کہ تحریف کرنا خواہ لفظی ہو یا معنوی، اس میں شک نہیں کہ یہ علماء کا کام ہے اور کلام کا سن کر عمل کرنا جہلاء کا کام، حالانکہ اس آیت میں فرمایا کہ سنتے ہیں اور تحریف کرتے ہیں، جو ایک طرح سے متضادین کو جمع کرنا ہے۔ بظاہر مناسب یوں تھا کہ پڑھتے ہیں اور تحریف کرتے ہیں اس اعتراض کی طرف میں نے تفسیر میں اشارہ کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس لعل شبچراغ کے بیان کرنے میں ان کی ایک قسم کی اور شناعت بیان ہو رہی ہے کہ یہ لوگ کتاب اللہ کو خود تو بشوق پڑھتے نہیں۔ ہاں اگر کوئی مقابل میں لاکر پیش کرے اور اس کے متعلق کچھ سوال کرے تو سن کر اس کی تحریف کر دیتے ہیں۔“

اس میں مولانا کا تفرد یہ ہے کہ ”یحرفونہ“ کا مصداق عہد رسالت مآب کے یہودیوں کو ٹھہرایا گیا ہے نہ کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے کے یہودیوں کو۔ اسی لیئے آیت کا ترجمہ بھی زمانہ حال میں کیا ہے۔

(۴)

واتبعوا ما تتلوا الشیطین علیٰ ملک سلیمٰن وما کفر سلیمٰن ولکن الشیطین کفروا یعلمون الناس السحر وما انزل علی الملکین ببابل ھاروت وماروت. (البقرہ ۱۰۲)

اور یہ پیچھے ہو لیئے، ان باتوں کے جو شیاطین سلیمان کے زمانہ میں پڑھتے تھے اور سلیمان نے کبھی کفر نہیں کیا۔ ہاں شیاطین یعنی ہاروت ماروت نے کفر کیا اور لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور نہ اتارا گیا دو فرشتوں پر (شہر) بابل میں۔ (مولانا امرتسری)

اس آیت میں مولانا امرتسریؒ نے ولکن الشیطین کے ترجمہ میں ہاروت ماروت کو ہی شیاطین قرار دیا ہے کہ ”ہاں شیاطین یعنی ہاروت ماروت“ جبکہ تفسیر میں لفظی شدت واضح نظر آ رہی ہے یعنی ”ہاں بدمعاش شیاطین یعنی ہاروت ماروت ----“ نیز انہوں نے وما انزل علی الملکین ببابل ھاروت و ماروت میں ما کو نافیہ قرار دے کر ترجمہ کیا ہے۔ ”اور نہ اتارا گیا ..... ان دو فرشتوں پر (شہر) بابل میں“۔ پھر اس کی توضیح میں لکھتے ہیں۔ ”اور نہ کوئی آسمانی علم تھا بلکہ محض ان ہاروت ماروت کی چالبازی تھی۔“ مطلب یہ کہ ہاروت ماروت کو بدمعاش شیاطین قرار دیا ہے۔ لیکن قرآنی جملہ علی الملکین کا ترجمہ ”دو فرشتوں پر“ سے کرتے ہیں۔ اور تفسیری ترجمہ میں بتاتے ہیں کہ ان دو فرشتوں سے مراد جبریل ومیکائیل ہیں نہ کہ ہاروت و ماروت۔ اور حاشیہ میں موصوف نے اپنے ترجمہ کو امام قرطبیؒ تفسیر ابن کثیر اور فتح البیان وغیرہ سے مستفاد قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ مولانا نواب محمد صدیق حسن خان صاحب مرحوم نے بھی یہی نقل کیا ہے۔ اور اپنے ترجمہ وتفسیر کو موکد کرنے کے لیئے معہود فی الذہن سوال کہ ”یہ مبدل منہ جمع ہے یعنی شیاطین اور بدل تثنیہ ہے یعنی ہاروت ماروت۔“ سو اس کا جواب یہ ہے کہ ”مبدل میں جمعیت باعتبار اتباع کے ہیں اور بدل تثنیہ باعتبار ذات کے ہے۔“ خود سے قائم کردہ سوال کے اس جواب میں بھی کہا ہے کہ جادو کی تعلیم شیاطین دیتے ہیں اور پھر ہاروت ماروت کو ہی شیاطین

قرار دے کر اردو تفاسیر و تراجم کی تاریخ میں پہلی بار اپنا تفرد یا امتیاز پیش کیا ہے۔[۴]

(۳)

ماننسخ من ایۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا۔ (البقرہ ۱۰۶)

جب کبھی کوئی نشان ہم تبدیل کریں یا اس کو پیچھے چھوڑ رکھیں تو اس سے اچھا لاتے ہیں یا اس جیسا (مولانا امرتسریؒ)

اس ترجمہ کا امتیاز ظاہر کرنے کے لیے پہلے چند تراجم دیکھیے۔

(۱) (اے پیغمبر!) ہم کوئی آیت منسوخ کر دیں یا (تمہارے) ذہن سے اس کو اتار دیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی نازل (بھی) کر دیتے ہیں۔ (ڈپٹی نذیر احمد)

(۲) جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اُس جیسی لے آئیں گے۔ (مولانا بریلوی)

(۳) ہم جو کسی آیت کو منسوخ کرتے یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے برابر لاتے ہیں۔ (شاہ عبدالحق حقانی)

بالعموم اس آیت سے قرآن مجید کی آیتوں کا نسخ مانا گیا ہے۔ اور اسی نارمولے سے نہ صرف متعدد آیات کو متعدد آیتوں سے منسوخ مانا جاتا ہے بلکہ بعض آیتوں کو حدیثوں سے بھی منسوخ مانا جاتا ہے۔ مولانا نعیم الدین مرادآبادیؒ نے کنز الایمان کے حاشیہ پر اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے۔ ''جس طرح آیت دوسری آیت سے منسوخ ہوتی ہے۔ اسی طرح حدیث متواتر سے بھی ہوتی ہے..... مسئلہ نسخ کبھی صرف تلاوت کا ہوتا ہے، کبھی صرف حکم کا، کبھی تلاوت و حکم دونوں کا.....'' یاد رہے کہ مولانا محمود حسنؒ کا ترجمہ و حاشیہ بھی اسی نارمولے کا غماز ہے۔ لیکن امرتسریؒ نے لفظ آیت کا ترجمہ ''نشان'' کر کے بات کہاں سے کہاں پہنچا دی ہے اس کا ادراک وہی کر سکتا ہے، جو تدبر آشنا ہے۔ ایک بار پھر دیکھیے۔

''جب کبھی کوئی نشان ہم تبدیل کریں یا اس کو پیچھے چھوڑ رکھیں تو اس سے اچھا لاتے ہیں یا اُس جیسا''

اور تفسیری ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''ہمارے ہاں قاعدہ ہے کہ جب کبھی کوئی نشان قومی یا شخصی شرعی یا عرفی ہم تبدیل کریں یا بحالت موجودہ چندروز کے لیے اس کو پیچھے چھوڑ رکھیں تو پہلی صورت میں اس سے اچھا لاتے ہیں یا بصورت دیگر اُس جیسا''[۵]

مولانا آزادؒ نے نسخ آیت کا مفہوم نسخ شرائع سابقہ سے لیا ہے نہ کہ نسخ آیات قرآنی سے۔ انہوں نے لکھا ہے۔

''سنت الٰہی یہ ہے کہ نسخ شرائع ہو یا نسیان شرائع لیکن ہر نئی تعلیم پچھلی تعلیم سے بہتر ہوگی یا اس کے مانند ہوگی۔ ایسا نہیں ہوتا کہ کمتر ہو کیونکہ اصل تکمیل و ارتقاء ہے نہ کہ تنزل و تسفل۔''[۶]

شاہ عبدالحق حقانیؒ نے نسخ آیات کی تشریح میں اگرچہ تمام اقسام کی تشریحات جمع کر دی ہیں مگر ان کا موقف، نسخ آیات قرآنی کے حق میں لگتا ہے۔ گو انہوں نے دوسرا نقطہ نظر بھی بڑی فراخدلی سے پیش کیا ہے۔ جبکہ ثناءاللہ امرتسریؒ نے ماننسخ من ایۃ ..... میں آیت سے مراد نشان لے کر اپنا تفرد و امتیاز اپنے ترجمے میں ہی نمایاں کر دیا ہے۔ اور تفسیری ترجمے میں نسخ آیات کے

عام عقیدہ کو بیان نہ کر کے دراصل اس کی عدم تحویلیت کا موقف اپنایا ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک یہی موقف، تحقیقی رنگ لیے ہوئے ہے۔

(۴)

ولكل وجهة هو موليها فاستبقوا الخيرات اين ما تكونوا يات بكم الله جميعا ان الله على كل شيء قدير. (البقرہ:۱۴۸)

اور ہر ایک کے لیے ایک جانب ہے وہ اس کی طرف (اپنا رُخ) پھیرے گا، پس تم نیکیوں کے کرنے میں جلدی کرو، جہاں کہیں تم ہو گے، اللہ تم سب کو (ایک جگہ) لے آوے گا۔ بے شک خدا سب کام کر سکتا ہے۔ (مولانا امرتسری)

دیگر مترجمین کے تراجم اور مولانا امرتسری کے ترجمہ میں لفظی فرق و امتیاز کے باوجود مفہوم تقریباً مشترک ہی مترشح ہے، البتہ تفسیر میں "اپنا رُخ ضرور پھیرے گا" کے حاشیہ میں اپنے ترجمہ کے تفرد کا خود ہی اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جو معنی میں نے کیئے ہیں وہ بہت کم ذائی کسی کے کیئے ہوئے تو میری نظر سے نہیں گزرے لیکن انہی وجوہ مذکورہ سے مستنبط ہو سکتے ہیں، میں نے "کل" کا مضاف الیہ مخاطب یعنی مسلمان لیے ہیں اور ھو کی ضمیر "کل" کی طرف ہی پھیری ہے، جو متبادر ہے"

یعنی مولانا موصوف نے عام مترجمین سے ہٹ کر ترجمہ کیا ہے کیونکہ دیگر مفسرین و مترجمین نے لفظ "کل" کو عام رکھا ہے۔ یعنی ہر مذہب والوں کی اپنی اپنی جہت ہے یعنی یہودیوں کی اپنی جہت ہے، عیسائیوں کی اپنی جہت ہے، وقس علیٰ ھذا۔

مثلاً مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے:

"اور پھر جو کچھ بھی ہو تقرر قبلہ کا معاملہ کوئی ایسی بات نہیں ہے، جو دین کے اصول و مہمات میں سے ہو اور اسے حق و باطل کا معیار سمجھ لیا جائے۔ ہر گروہ کے لیے کوئی نہ کوئی جہت ہے اور وہ اس کی طرف رُخ کر کے عبادت کرتا ہے۔ عبادت جس کی طرف بھی منہ کر کے کی جائے خدا کی عبادت ہے وہ کسی ایک جہت ہی میں محدود نہیں۔"[۱۰]

مولانا آزاد نے قبلہ کے تعین کو غیر اہم سمجھ کر کلام کیا ہے۔ اسی لیے اسے دین کے اصول و مہمات سے خارج کر کے اس کے معیار حق و باطل ہونے سے بھی انکار کیا ہے۔ راقم الحروف کے خیال میں ان کی یہ تفسیر خانہ کعبہ کی دین میں اصولی، مرکزی اور محوری حیثیت کو ختم کرنے کے مترادف ہے اور یہ خود قرآن مجید کی متعدد آیات کے علی الرغم بھی نظر آتا ہے۔ یہاں موقع بحث نہیں ورگر نہ میں تفصیلی کلام کرتا۔ بہر حال مولانا آزاد کی تفسیر میں "کل" سے مراد دنیا جہان کے تمام فرقے، گروہ، مسلک، مذہب اور افراد ہیں۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے لکھا ہے۔ "لکل" "ہر ایک" سے مراد ہر قوم یا ہر امت ہے اور حذف مضاف کی طرح حذف مضاف الیہ کی مثالیں عربی میں عام ہیں۔"[۱۱]

مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے "کل" سے مراد یہود و نصاریٰ کے گروہوں کو لیا ہے کہ "ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے قبلہ کیلئے ایک جہت ٹھہرائی ہے۔ کسی نے مشرق کسی نے مغرب" ۱۲

البتہ مولانا محمود حسنؒ نے اس آیت کی تفسیر دو طرح سے کی ہے۔ طرح اول میں وہ عام مفسرین کی طرح ہیں اور طرح دوم میں ان کی تفسیر مولانا ثناءاللہ امرتسریؒ کی تفسیر سے ہم آہنگ ہے۔ ارقام فرماتے ہیں:

> "یعنی اللہ نے ہر ایک امت کے لیئے ایک ایک قبلہ کا حکم فرمایا، جس کی طرف بوقت عبادت اپنا منہ کیا کریں یا ہر ایک قوم مسلمان کعبہ سے جدا جدا سمت میں واقع ہے کوئی مشرق میں کوئی مغرب میں، سو اس میں جھگڑنا فضول اور اپنے قبلہ یا اپنی سمت پر ضد کرنا عبث ہے۔" ۱۳

جبکہ امرتسری صاحبؒ نے لفظ "کل" کا مضاف الیہ مسلمانوں کو قرار دے کر یہ تفسیر کی ہے کہ "جنوب شمال مشرق مغرب تمام اطراف کے لوگ اپنی اپنی طرف سے کعبہ کی طرف نماز پڑھیں گے۔" اسی طرح یات بکم اللہ جمیعا کا مرجع وحید کعبہ کو قرار دے کر بھی تفرد کو نمایاں کیا ہے۔

(۵)

> كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت ان ترك خيرا الوصية للوالدين والا قربين بالمعروف. (البقرہ:۱۸۰)
>
> تم پر فرض کیا گیا ہے کہ اگر کوئی تم میں سے مال چھوڑتا ہو تو مرتے وقت اپنے ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے لیئے دستور کے موافق وصیت کر جائے۔ (مولانا امرتسری)

اس آیت میں "وصیت" کی فرضیت کا بیان ہے۔ جسے اکثر علمائے تفسیر نے بالعموم منسوخ مانا ہے۔ مولانا محمود حسنؒ نے اس کی شرح میں لکھا ہے۔

> "یہ وصیت اس وقت فرض تھی، جس وقت آیہ میراث نہیں اتری تھی۔ جب سورۂ نساء میں احکام میراث نازل ہوئے سب کا حصہ خدا تعالیٰ نے آپ معین فرما دیا۔ اب ترکہ میت میں وصیت فرض نہ رہی، اس کی حاجت ہی جاتی رہی البتہ مستحب ہے۔ مگر وارث کے لیئے وصیت جائز نہیں۔ اور تہائی ترکہ سے زائد نہ ہو ہاں اگر کسی شخص کے متعلق دیون اور ودائع وغیرہ داد و ستد کا جھگڑا ہو، اس پر وصیت اب بھی فرض ہے" ۱۴

آپ نے ملاحظہ کیا کہ مولانا نے اصولی طور پر وصیت کی فرضیت کو منسوخ مانا ہے۔ البتہ استحباب کو تسلیم کیا ہے۔ اور آخری فقرے میں مشروط طور پر وصیت کو پھر فرض بھی مانا ہے۔ کم وبیش اسی طرح کے مفاہیم تفسیر خزائن العرفان اور تفسیر فتح المنان المعروف بہ تفسیر حقانی میں بھی موجود ہیں۔ البتہ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اس کی تفسیر روایت سے ہٹ کر کی ہے۔ یعنی انہوں نے آیت وصیت کو آیت میراث سے گڈمڈ نہیں کیا۔ اسے مطلق رکھا ہے۔ گو انہوں نے کھل کر نسخ کا مسئلہ نہیں اٹھایا مگر ان کی تفسیر سے یہی مترشح ہے کہ

وہ نسخ وصیت کے قائل نہیں ہیں۔ مگر ثناءاللہ امرتسریؒ نے ایک قدم آگے بڑھ کر آیت وصیت کو کلی کر غیر منسوخ مانا ہے۔ یہ ان کا تفسیری امتیاز ہے۔ ان سے پہلے کی اردو تفاسیر میں اس طرح کا مفہوم ہمیں نہیں ملا۔ مولانا امرتسریؒ کے الفاظ ملاحظہ کیجئے۔

> ''خاکسار راقم کے نزدیک بھی قرآن کی دونوں آیتوں سے کوئی آیت منسوخ نہیں بلکہ آیت میراث اس آیت کی شرح ہے۔ کیونکہ اس آیت میں خدا نے وصیت کرنے کا حکم فرمایا تھا مگر چونکہ اس وصیت میں کمی زیادتی کرنا انسانی طبائع سے کچھ بعید نہ تھا۔ اس لیے خدائے عالم الغیب نے اس وصیت کی آپ ہی شرح کر دی بلکہ اس فعل کو جو اس کی شرح میں مستعمل تھا، خاص اپنی طرف نسبت کیا۔......''[۱۵]

(۲)

شھر رمضان الذی انزل فیه القرآن ھدی للناس و بینٰت من الھدیٰ و الفرقان، فمن شھد منکم الشھر فلیصمه. (البقرہ:۱۸۵)

> ماہِ رمضان ہی تو وہ مہینہ ہے، جس کی فرضیت میں قرآن نازل ہوا ہے۔ جو سب لوگوں کے لیے ہدایت اور ہدایت کی بیّن نشانیاں اور فیصل ہے۔ پس جو کوئی تم میں سے اس مہینے کو پاوے اس کے روزے رکھے۔
> (مولانا امرتسریؒ)

اس آیت کا ترجمہ مولانا امرتسریؒ نے حذف مضاف کو تسلیم کرتے ہوئے کیا ہے، جبکہ دیگر مترجمین یہاں حذف مضاف کو تسلیم نہیں کرتے، اس لیے وہ ترجمہ کرتے ہیں کہ رمضان وہ مہینہ ہے، جس میں قرآن نازل ہوا، لیکن امرتسری صاحب'' کا ترجمہ تھوڑا الگ ہے یعنی ''ماہِ رمضان ہی تو وہ مہینہ ہے، جس کی فرضیت میں قرآن نازل ہوا۔'' پھر تفسیر کے حاشیہ میں خود ہی اس تفرد کی وضاحت کر دی ہے کہ:

> ''اکثر صاحب اس کے ترجمہ میں حذف کو نہیں مانتے بلکہ صاف ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ رمضان وہ مہینہ ہے، جس میں قرآن نازل ہوا اور اس کی توجیہ یوں کرتے ہیں۔ رمضان میں لوح محفوظ سے پہلے آسمان پر سارا قرآن آ گیا تھا۔ پھر حسب موقع ایک ایک سورت نازل ہوتی رہی۔''[۱۶]

پھر اپنے ترجمہ کی تائید میں بغیر کسی حوالہ کے کسی تفسیر سے عربی عبارت نقل کر کے اس کا تلخیصی ترجمہ لکھتے ہیں:

> ''رمضان کی فضیلت میں قرآن نازل ہوا یعنی کہیں رمضان کی فرضیت میں قرآن نازل ہوا جیسا کہ کہا کرتے ہیں، زکوٰۃ میں قرآن کی فلاں آیت اتری اور شراب میں فلاں آیت نازل ہوئی، جس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت میں اور شراب کی حرمت میں نازل ہوئی۔''[۱۷]

یہ تلخیص ترجمہ کر کے حصولا لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک بھی یہی معنی ارجح ہیں چنانچہ میں نے انہیں کو اختیار کیا لیکن اسی تسلسل میں فمن شھد منکم الشھر فلیصمه کے حکم کو پہلے بیان کی تفریع مذکور قرار دیتے ہوئے اور لفظ (حرف) ''ف'' کے معنی ''پس'' کر کے لکھتے ہیں۔

> ''یہ تفریع جبھی صحیح اور درست ہوگی کہ اس سے پہلی آیت میں کچھ ایسا مذکور ہو، جس کے ساتھ وجوب صیام

تفریع پذیر ہو سکے۔ وہ یہی ہے کہ انزل فی ایجاب صومہ یعنی اس کے روزوں کے فرض ہونے میں قرآن نازل ہوا ہے۔ پس جو کوئی حاضر ہو وہ روزہ رکھے۔ پہلے دونوں معنی کہ اس میں قرآن نازل ہوا یا اس کی فضیلت میں نازل ہوا، اس تقریر سے ایسے منطبق نہیں جیسے کہ یہ ہیں۔"[۱۸]

راقم کے نزدیک امرتسری صاحبؒ کے ترجمہ میں بلاشبہ تفرد ہے۔

(۷)

یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ، قل قتالٌ فیہ کبیر۔ (البقرہ: ۲۱۷)

تجھ سے حرام مہینے میں لڑنے کا حکم پوچھتے ہیں تو کہہ دے کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے۔ (مولانا امرتسریؒ)

تحتِ گرامی کی تفسیر میں شاہ عبدالحق حقانیؒ نے لکھا ہے:

"عرب کا قدیم دستور تھا کہ وہ رجب اور ذی قعدہ اور ذی الحجہ اور محرم میں باہمی جنگ و جدال نہ کرتے تھے اور ان میں سے کوئی کسی پر چڑھائی نہ کرتا تھا بلکہ اس کو سخت معیوب جانتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے یہ دستور چلا آتا تھا۔ اس لیے لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ کیا ان مہینوں میں بھی قتال و جہاد جائز ہے؟"[۱۹]

حقانی صاحبؒ کے مطابق قتال کی بابت سوال کرنے والے لوگ مسلمان تھے۔ جسے انہوں نے "لوگوں" کے لفظ سے نمایاں کیا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد دہلویؒ نے تو اپنے ترجمہ میں ہی لکھ دیا ہے کہ (اے پیغمبر مسلمان تم سے) ادب والے مہینوں کی نسبت یعنی ان میں لڑائی کرنے کی نسبت دریافت کرتے ہیں (کہ کیا حکم ہے)......" اور اس کے شانِ نزول میں تفسیر خزائن العرفان میں لکھا ہے، جمادی الاخریٰ کا آخری روز جو درحقیقت چاند کے اختلاف کے سبب جمادی الاخریٰ اور رجب المرجب کے مابین مختلف فیہ تھا اور غلطی سے مسلمانوں نے اس دن قتال کر لیا تھا۔" اس پر کفار نے مسلمانوں کو عار دلائی کہ تم نے ماہِ حرام میں جنگ کی اور حضور سے اس کے متعلق سوال ہونے لگے۔ اس پر یہ آیت اتری۔"[۲۰]

اور اسی طرح کا مفہوم تفسیر حقانی میں بھی درج ہے۔ بلکہ اس میں یہ مسئلہ ذرا زیادہ وضاحت سے لکھا گیا ہے کہ مسلمانوں نے حضور سے قتال کی بابت سوال کیا...... مگر یہاں امرتسریؒ کا تفسیری موقف ان تمام علمائے تفسیر سے بالکل الگ ہے۔ ان کے نزدیک قتال کی بابت سوال کرنے والے لوگ مسلمان نہیں بلکہ کفار تھے اور اس آیت کی تفسیر میں یہی ان کا امتیاز ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

"اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ سوال کن لوگوں نے کیا تھا۔ بعض اہل اسلام کو سائل بتاتے ہیں اور بعض کفار کو۔ میرے نزدیک آخری صورت صواب ہے۔ اس لیے کہ آئندہ کے لفظوں میں بطور عار دلانے کے جو الفاظ فرمائے گئے ہیں، ان کے مصداق کفار ہی ہو سکتے ہیں، مسلمان نہیں۔"[۲۱]

مولانا امرتسریؒ نے آگے کے قرآنی الفاظ کو نظم قرآن کے تحت اپنے موقف کی دلیل بنایا ہے اور تفسیری ترجمہ میں اس کو

نمایاں بھی کیا ہے۔

(۸)

قال فخذ اربعۃ من الطیر فصرھن الیک ثم اجعل علیٰ کل جبل منھن جزءً ثم ادعھن یاتینک سعیاً (البقرہ: ۲٦٠)

(خدا نے) کہا چار جانور اپنے پاس رکھ لے پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر ایک پہاڑ پر رکھ دے پھر ان کو بلا تو تیرے پاس بھاگتے ہوئے آویں گے۔ (امرتسری)

تفسیری ترجمہ میں لکھتے ہیں: "(خدا نے) کہا چار جانور اپنے پاس رکھ لے تاکہ تجھے بخوبی ان کی پہچان ہو پھر ان کو ذبح کر کے ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر ایک پہاڑ پر جو اس وقت تیرے اردگرد ہیں رکھ دے۔ پھر ان کو بلا۔

اس تفسیر پر جو نوٹ تحریر کیا ہے۔ اس میں مولانا کا تفرد ظاہر ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

"عام طور پر اس آیت کا مطلب یہی بتایا جاتا ہے مگر بہ تدقیق نظر سے ان معنی کا ثبوت قرآن مجید کے لفظوں سے نہیں ہوتا۔ قرآنی عبارت میں دو لفظ قابل غور ہیں (۱) صر، اس کے اصلی معنی ہیں جھکا۔ تفسیر معالم وغیرہ میں اسکا ترجمہ امل کیا گیا ہے اور شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔ دوسرا لفظ جزو ہے، جب وہ ایک چیز کی طرف نسبت ہوتا ہے تو اُس چیز کا ایک ٹکڑا مراد ہوتا ہے اور جب کسی جمع کی طرف مضاف ہوتا ہے تو اس جمع میں سے ایک فرد ہوتا ہے۔ جیسے کہیں بیلڑ کا دسویں جماعت کا جزو ہے۔ قرآن مجید میں جزء مفہوم انہی معنی سے آیا ہے۔ پس اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوتے کہ ان چار جانوروں کو اپنی طرف مائل کر پھر ان میں سے ایک ایک کو پہاڑ پر رکھ کر بلا تیرے پاس آجاویں گے تو اس سے سمجھ لے گا کہ جس طرح یہ وحشی جانور تیرے بلانے پر آگئے ہیں۔ خدا کے بلانے پر سب مردہ چیزیں زندہ ہو جاویں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ" ۴۴

مگر اکثر مترجموں نے اس آیت کا ترجمہ ہی ایسا کیا ہے جس سے ذبح کرنے کا مفہوم برآمد ہوتا ہے۔ مثلاً مولانا محمود حسنؒ نے ثم اجعل علیٰ کلّ جبلٍ منھن جزءً کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ "پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا"۔ "بدن کے ایک ایک ٹکڑے" سے یہ مفہوم بالکل واضح ہے کہ مترجم صاحب ان پرندوں کو مذبوح سمجھ کر ہی ان کے بدن کے ٹکڑوں کی بات کر رہے ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمدؒ کے ہاں اسی طرح کا مفہوم بڑی وضاحت و صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

"(اچھا) چار پرند لو اور ان کو اپنے پاس منگواؤ (اور بوٹی بوٹی کر ڈالو) پھر ایک ایک پہاڑی پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو" ۴۵ اور امین احسن اصلاحی نے بھی اس فقرے کا ترجمہ کچھ اسی طرح کیا ہے۔ "پھر ان کو ٹکڑے کر کے ہر پہاڑی پر ان کا ایک ایک حصہ رکھ دو"۔ (ص ۵۹۹) اور اپنے ترجمہ کی وضاحت اپنی تفسیر

میں نہایت عمدگی اور سلیقے سے کی ہے۔۵۵ اسی طرح کا ترجمہ و تشریح مولانا عبدالحق حقانیؒ کے ہاں بھی موجود ہے"۵۶

اس مفہوم پر مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے نہایت شرح و بسط کے ساتھ جمہور کی تائید میں تفسیر لکھی ہے جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ پر سب کا اتفاق ہے بجز ابو مسلم اصفہانیؒ کے پھر یہ بھی لکھا گیا ہے "ابو مسلم کا یہ قول آج چودھویں ہجری میں بعض کج ذہنوں کی زبان سے پھر چلایا گیا ہے۔"۵۷

مجھے نہیں معلوم کہ مولانا دریابادیؒ کی نظر میں چودھویں صدی ہجری کے وہ کج ذہن لوگ کون ہیں؟ جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ ان کا اشارہ ثناء اللہ امرتسریؒ کی طرف ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کا اشارہ ابوالکلام آزادؒ کی طرف ہو، کیونکہ مولانا آزادؒ کا موقف بھی وہی ہے، جو مولانا امرتسریؒ کا ہے۔۵۸

اس قیل و قال کے بعد یہ بات بآسانی سمجھ میں آتی ہے کہ مولانا امرتسریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں جمہور سے ہٹ کر جو حاشیہ لکھا ہے وہ ان کا تفرد نہیں تو کم از کم ان کے اپنے عہد کا تفسیری امتیاز ضرور ہے۔

(۹)

كلما دخل عليها زكريا المحراب وجد عندها رزقا قال يمريم انّى لك هذا قالت هو من عند الله انّ الله يرزق من يشاء بغير حساب (آل عمران۳۷:۳)

جب کبھی زکریا اس کے پاس چوبارہ میں جاتا کھانا اس کے پاس پاتا، زکریا نے پوچھا کہ مریم یہ کھانا تجھ کو کہاں سے آتا ہے، مریم نے کہا یہ اللہ کے ہاں سے ہے، خدا جس کو چاہتا ہے، بے اندازہ رزق دیتا ہے۔ (مولانا امرتسریؒ)

اس آیت کے ترجمہ میں تو صرف ایک ہی تفرد ہے کہ لفظ المحراب کا ترجمہ "چوبارہ" کیا گیا ہے۔ جس کا معنی کوٹھا، مکان کے اوپر کا کمرہ جس کے چار دروازے ہوں اور دوسرا معنی صحن ہے۔۵۹

ممکن ہے، اس کی مثال کسی ترجمہ میں ہو لیکن تا حال میری نظر سے نہیں گذرا، اس لیے میں نے اسے مولانا کے تفرد میں شمار کیا ہے۔ البتہ بی بی مریم علیہا السلام کے پاس کھانے کی موجودگی اور اس سے متعلق حضرت زکریا علیہ السلام کا سوال اور بی بی مریم کے جواب کے حوالے سے اس طعام کو جو خرق عادت شمار کیا جاتا ہے مولانا امرتسریؒ نے اس سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنے تفرد کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے۔

"اس آیت کے معنی میں عام طور پر خرق عادت کا اظہار کیا جاتا ہے یعنی (بی بی) مریم کو سردی کے میوے گرمی میں اور گرمی کے میوے سردی میں پہنچتے تھے، مجھے کسی خرق عادت یا کرامت سے انکار نہیں لیکن بغیر ثبوت خرق عادت ماننے سے بھی طبیعت رکتی ہے۔ بحال یہ کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک روز پڑوسن نے حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو کھانا بطور تحفہ بھیجا، آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کہاں

سے آیا ہے؟ فاطمہ ممدوحہ نے کہا ھو من عند اللہ، یہ اللہ کے پاس سے ہے۔(تفسیر در منثور) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والے لوگ ہر معمولی واقعے کو بھی اللہ ہی کی طرف نسبت کیا کرتے ہیں۔"۲۹

حالانکہ عام کتب تفاسیر میں یہ واقعہ خرق عادت کے طور پر بطور کرامت کے ہی بیان کیا گیا ہے۔ مگر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس آیت کے مفہوم میں جو بیان کیا ہے۔ اس میں مولانا امرتسریؒ کا تتبع نظر آتا ہے۔ لگے ہاتھوں اسے بھی دیکھ لیجئے۔

"...... مجاہد سے ایک روایت ہے کہ "رزق" سے مراد علمی صحیفے ہیں۔ جن کو روحانی غذا کہنا چاہئے۔ بہر حال اب کھلم کھلا مریم کی برکات و کرامت اور غیر معمولی نشانات ظاہر ہونا شروع ہوئے، جن کا بار بار مشاہدہ ہونے پر زکریاؑ سے نہ رہا گیا اور ازراہ تعجب پوچھنے لگے کہ مریم! یہ چیزیں تم کو کہاں سے پہنچتی ہیں۔"۳۰

جبکہ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے مولانا امرتسریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے برعکس یہ لکھا ہے:

"بعض "جدت پسندوں" نے یہاں رزق کے معنی فیض اور علم و حکمت کے لیے ہیں۔ لیکن محققین نے کہا ہے کہ یہ تفسیر کے حدود سے تجاوز کر جانا ہے......... اسی بنا پر محققین اہلسنت نے آیت کو اثبات کرامات اولیاء کے باب میں نص قرار دیا ہے اور علماء فرقہ شیعہ بھی اس باب میں ان سے متحد ہیں۔ اختلاف صرف معتزلہ کو ہے"

مولانا دریابادیؒ نے "فیض اور حکمت کا قول" جدت پسندوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ جبکہ اوپر آپ نے ملاحظہ کیا کہ وہ قول حضرت مجاہدؒ سے روایت ہوا ہے، جو حضرت ابن عباسؓ کے جلیل القدر شاگرد تھے اور تابعین میں ممتاز مقام کے حامل تھے۔ مجاہد کے قول کو اصلاحی صاحبؒ نے اختیار کرتے ہوئے جو تشریح کی ہے وہ بھی بہت عمدہ ہے۔ ان کی تشریح سے امرتسری صاحبؒ کی تائید ہوتی ہے۔

(۱۰)

مثل ما ینفقون فی هذه الحیوٰة الدنیا کمثل ریح فیها صرٌ اصابت حرث قوم ظلموا انفسهم فاهلکته' وما ظلمهم الله ولکن انفسهم یظلمون○(آل عمران ۱۱۷:۳)

دنیا میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں وہ پالے والی باؤ کی طرح ہے، جو ظالموں کے کھیت پر پہنچ کر اس کو ضائع کرتی ہے۔ خدا تو ان پر کسی طرح ظلم نہیں کرتا لیکن یہ لوگ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔
(مولانا امرتسریؒ)

آیت مذکورہ کے ترجمہ میں "پالے والی باؤ" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جو اب متروک ہو چکے ہیں۔ اس کا معنی ہے، برف والی ہوا یا برفیلی ہوا۔ اس وضاحت کے بعد عرض ہے کہ آیت مذکورہ کے ترجمہ میں سوائے لفظ فاھلکتہ کے ترجمہ (اس کو ضائع کرتی ہے) کے، دیگر تراجم اور اس کے ترجمہ میں بجز مترادف لفظوں کے فرق کے، باقی ترجمہ میں کوئی انفرادیت نہیں ہے۔ البتہ مولانا امرتسریؒ نے اپنے اس ترجمہ پر جو حاشیہ تحریر فرمایا ہے اس میں انفرادیت واضح طور پر نظر آ رہی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"اس تشبیہ میں دقت ہے یعنی فاعل کو فاعل سے تشبیہ دی ہے یا مفعول کو مفعول سے، اکثر بزرگوں کی تفسیر

اور تراجم سے معلوم ہوتا ہے کہ مفعول کو فاعل سے تشبیہ دی ہے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ان کے کفر و شرک کی وجہ سے ان کے صدقات ضائع ہیں، میں نے اس میں دقت سمجھی ہے، اس لیے صدقات کو ہلاکات نہیں بتایا بلکہ مہلکات بتایا ہے۔ اس کے مقابل میں مشبہ بہ ریح ہے جو کہ مہلک ہے فافہم منہ۔" ۴۲

(۱۱)

ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یعلم اللّٰہ الذین جاھدوا منکم ویعلم الصّٰبرین o (آل عمران: ۱۴۲)

کیا تم سمجھ بیٹھے ہو کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے۔ حالانکہ ابھی اللہ نے جہاد کرنے والوں کو تم میں سے الگ نہیں کیا اور صابروں کی تمیز بھی نہیں کی۔ (مولانا امرتسریؒ)

مولانا امرتسریؒ نے آیت کے جملے لما یعلم اللّٰہ کا ترجمہ کیا ہے۔" حالانکہ اللہ نے ابھی الگ نہیں کیا۔" یہ ترجمہ واقعی منفرد ہے اور دیگر تراجم، مثلاً

(۱) اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت قدم رہنے والوں کو (مولانا محمود حسنؒ)

(۲) ابھی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جانا ہی نہیں، جنہوں نے جہاد کیا اور نہ صبر کرنے والوں کو جانا۔ (مولانا دریابادیؒ)

کے مقابلے میں نہ صرف پسندیدہ، بلکہ بالکل صحیح اور مطابق حق و صواب ہے۔ اسی طرح دوسرے یَعْلَمَ کا ترجمہ تمیز (یعنی امتیاز) سے کرنا بھی لائق تحسین ہے۔ کیونکہ اس ترجمہ نے مذکورہ بالا تراجم اور ان جیسے دیگر تراجم کے حوالے سے علم الٰہی کے ضمن میں پیدا ہونے والے شبہات سے عام قارئین کو بچالیا ہے۔ نیز اس دوسرے یَعْلَمَ کے ترجمہ میں اپنے مختار و امتیاز کو مؤکد کرتے ہوئے تفسیر کے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

"اس آیت میں یَعْلَمَ کے نصب نے علماء نحو کو مجبور کیا ہے کہ اس سے پہلے کوئی ناصبہ تلاش کریں، چنانچہ انہوں نے اس کی تقدیر یوں بنائی ہے قبل ان یعلم الصّٰبرین مگر میں نے اس ترکیب کو اختیار نہیں کیا۔ کیونکہ یَعْلَمَ کا حق جزم کا ہے۔ مگر ایسی حالت میں بوجہ خفت فتح بھی آتی ہے کتب نحو میں اس کی مثال بھی ملتی ہے۔" ۴۳

واضح ہو کہ مولانا عبدالحق حقانیؒ نے بھی اس آیت کا ترجمہ بہت عمدہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

اور ابھی تک تو خدا نے تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو جانچا بھی نہیں۔

اور اسی مفہوم پر مشتمل ترجمہ مولانا ابوالکلام آزادؒ کا بھی ہے۔ ڈپٹی نذیر احمدؒ، مولانا احمد رضا خان بریلویؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے تراجم بھی اسی قبیل کے ہیں۔

(۱۲)

واذا حییتم بتحیة فحیوا باحسن منھا او ردوھا انّ اللّٰہ کان علیٰ کل شیءٍ حسیبا o (النساء: ۸۶)

جس وقت تم کو کوئی تحفہ دے تو اس کے تحفے سے اس کو اچھا تحفہ دو یا اسی جیسا دیا کرو،خدا ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔(مولانا امرتسریؒ)

مولانا امرتسریؒ کے ترجمہ میں تفرد ہے۔اکثر مترجمین ومفسرین نے تحیۃ کا معنیٰ سلام اور دعا ،لکھا ہے۔جیسے شاہ عبدالحق حقانیؒ ،ڈپٹی نذیر احمدؒ،مولانا محمود حسنؒ ،مولانا احمد رضا خانؒ،مولانا ابوالکلام آزادؒ،مولانا عبدالماجد دریابادیؒ ،اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ وغیرہم ...... پھر سلام لکھنے والوں نے عربوں کے باہم سلام کرنے کے قدیم عربی جملے "حیاک اللہ" سے استدلال کیا ہے۔اور پھر السلام علیکم کو دعائیہ کلمہ بھی کہا جاتا ہے۔مگر مولانا امرتسریؒ کہتے ہیں کہ میں نے جو ترجمہ کیا ہے۔اس میں یعنی لفظ تحفہ میں سلام ودعا ،از خود داخل ہے۔مولانا موصوف نے تحیۃ کا معنیٰ تحفہ لکھا ہے۔اور تفسیر میں لفظ سلوک کا بھی اضافہ کیا ہے۔چنانچہ لکھتے ہیں۔

""جس وقت تم کو کوئی تحفہ دے یا کسی قسم کا سلوک کرے تو اس کے تحفے سے اچھا تحفہ اس کو دیا کرو،اس کے سلوک سے اچھا سلوک اس کے ساتھ کیا کرو،کم سے کم اسی جیسا دیا کرو،غرض کچھ بھی ہو،کسی قسم کا سلوک بطور شکریہ ضرور کیا کرو،اس سے محبت بڑھتی ہے"[۲۴]

بہر حال ترجمہ وتفسیر میں واضح تفرد کے باوجود مولانا موصوف کا اصرار ہے کہ ہم نے جو معنیٰ کیا ہے وہ دوسروں کے کیئے ہوئے معنیٰ کو بھی شامل ہے۔جیسا کہ حاشیہ میں لکھتے ہیں" ......جن مفسرین نے تحیۃ کے معنیٰ السلام علیکم کے کیئے ہیں۔ہمارے معنیٰ ان کے خلاف نہیں بلکہ اس کو بھی شامل ہیں اور وہ اس میں داخل ،لفظی معنیٰ یہی ہیں،جو ہم نے کیئے ہیں۔"

(۱۳)

اذقال اللّٰہ یٰعیسی ابن مریم اذکر نعمتی علیک وعلیٰ والدتک اذ ایدتک بروح القدس. تکلم الناس فی المھد وکھلا. واذ علمتک الکتٰب والحکمۃ والتوراۃ والانجیل. واذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر باذنی فتنفخ فیھا فتکون طیراً باذنی وتبری الاکمہ والابرص باذنی واذ تخرج الموتیٰ باذنی واذ کففت بنی اسرائیل عنک اذ جئتھم بالبینٰت فقال الذین کفروا منھم ان ھذا الا سحر مبین ٥ (المائدہ:۱۱۰)

جب خدا کہے گا اے عیسیٰ ابن مریم کے بیٹے میری نعمتوں کو جو تجھ پر اور تیری ماں پر تھیں یاد کر۔جب میں نے تجھ کو روح القدس کے ساتھ قوت دی۔تو گہوارہ میں اور بڑھاپے میں لوگوں سے باتیں کیا کرتا تھا اور جب میں نے تجھ کو کتاب یعنی تہذیب کی باتیں اور توریت وانجیل سکھائی تھی اور جبکہ تو میرے حکم سے پرندوں کی سی صورتیں مٹی سے بناتا تھا۔پھر ان میں پھونک دیتا تو وہ میرے حکم سے پرند ہو جاتے اور تو مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کرتا تھا اور جب تو میرے حکم سے مردوں کو نکالتا تھا اور جب میں نے بنی اسرائیل سے تجھ کو محفوظ رکھا۔جب تو ان کے پاس معجزات لایا تو ان میں سے کافر لوگ کہنے لگے کہ

یہ تو صریح جادو ہے۔(مولانا امرتسری)

اس طویل آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا کی گئی نعمتوں جیسے گہوارے میں کلام کرنا مٹی کے پرندے بنا کر ان میں پھونک مارنا اور ان کا پرندے بن جانا،اندھوں اور کوڑھیوں کو درست کرنا وغیرہم کا ذکر ہے۔جنہیں مشہور طور پر ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے کہتے ہیں لیکن مولانا امرتسری "معجزات کے حوالہ سے اپنا منفرد نقطۂ نظر رکھتے تھے۔چنانچہ آیت مذکورہ کے تحت انہوں نے معجزہ کی حقیقت پر بہت مفصل کلام پیش کیا ہے۔ان کی یہ بحث سرسید احمد خان کی تفسیر کے تعلق سے ہے۔اگر اس بحث کو نقل کیا جائے تو کئی صفحات درکار ہوں گے۔اس لیئے اس سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم وہ عبارت درج کریں گے،جس میں امرتسری صاحب" کا تفرد ظاہر ہوا ہے۔

> "علماء اسلام نے جو معجزہ کی تعریف کی ہے،اس کا خلاصہ یہ ہے کہ معجزہ ایک ایسا فعل ہے،جو مدعی نبوت سے خرق عادت کے طور پر ظہور پذیر ہو،مگر ہمارے نزدیک معجزہ خرق عادت ہے بھی اور نہیں بھی خرق عادت کا جو لفظ ہمارے علماء نے درج کیا ہے۔اس سے ان کی جو مراد ہے۔وہ اور ہے اور ہم نے جو انکار کیا ہے۔اس سے ہماری مراد اور ہے۔ہمارے نزدیک معجزہ موافق عادت اس لیئے ہے کہ ہم اس کو نبوت کے ساتھ لازمہ مجہول الکیفیت مانتے ہیں یعنی جیسا نبوت کے لیئے کوئی قانون الٰہی ضرور ہے اور ہونا بھی چاہئے تاکہ ایتابڑا سلسلۂ نبوت بے قانون نہ رہے۔گو ہمیں اس کا علم نہیں اور ہم اس کو نہ جانیں کہ وہ کیا ہے۔لیکن دراصل وہ کسی قانون سے ضرور مربوط ہے۔"۵ح

اس تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا امرتسریؒ جہاں معجزہ کو خرق عادت اور موافق عادت دونوں طرح سے مانتے ہیں وہیں معجزے کو نبوت کا لازمہ بھی مانتے ہیں،ایسا لازمہ جس کی کیفیت مجہول ہو۔یہاں مجھے وہ بحث یاد آگئی،جو تقریباً چالیس سال قبل ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی میں مفتی سید شجاعت علی قادریؒ نے شروع کی تھی،جس کا عنوان تھا"معجزہ"،نبوت کا لازمہ ہے یا عارضہ"یہ بحث اس دور کے رسالوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(۱۴)

> واتل علیهم نباء الذی اتینه ایتنا فانسلخ منها فاتبعه الشیطن فکان من الغوین o (الاعراف ۱۷۵)
>
> اور ان کو اس کا قصہ سنا،جس کو ہم نے اپنے احکام دیئے پھر وہ ان حکموں سے صاف ہی نکل گیا۔پس شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا۔پس وہ راہ بھولوں میں جا ملا۔(مولانا امرتسریؒ)

اس آیت کے ترجمہ میں تو کوئی تفرد نہیں ہے،البتہ تفسیر اور حاشیہ میں تفرد موجود ہے۔چونکہ آیت میں صراحتاً یا اشارۃً معلوم نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے کس کو احکام دیئے براہ راست (بذریعہ وحی) دیئے یا کسی پیغمبر کے ذریعے دیئے؟ بہر حال علماء و مفسرین نے اپنے اپنے علم کے زور پر اس شخص کی تعیین کی ہے۔کسی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کا معاصر اُمیّہ بن ابی الصلت ہے۔(تفسیر ابن جریر) مگر اکثر نے بلعم بن باعورا کو اس کا مشارٌ الیہ قرار دیا ہے۔جبکہ مولانا امرتسریؒ نے اس شخص کی تعیین فرعون سے

کی ہے اور حاشیہ میں اس کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

"اس آیت کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال ہیں کہ یہ کون شخص ہے۔ ان سب میں سے عجیب تر قول یہ ہے کہ ایک شخص بلعم بن باعورا حضرت موسیٰ کے وقت میں تھا، حضرت موسیٰ کے مخالفوں کے کہنے سننے سے حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے حق میں اس نے بد دعا دی، جس سے ان کی فتح سے شکست ہوگئی۔ جس کی وجہ حضرت موسیٰ نے خداوند تعالیٰ سے دریافت کی تو ارشاد خداوندی پہنچا کہ بلعم بن باعورا نے جو ایک مستجاب الدعوات شخص ہے، تمہارے حق میں بد دعا کی ہے۔ اس لیے تمہاری فتح سے شکست ہوگئی، یہ سن کر حضرت موسیٰ نے اس کے حق میں بد دعا کی، جس کا اثر یہ ہوا کہ کہیں تو ایسا مستجاب الدعوات تھا اس بد دعا کی تاثیر سے آخر بے ایمان ہوکر مرا، یہ قول عجیب تر اس لیے ہے کہ موجودہ توریت سے، جس سے زیادہ تر معتبر حضرت موسیٰ کے حالات بتلانے والی بعد قرآن شریف کے کوئی تاریخ نہیں، اس قصہ کے برعکس ثابت ہوتا ہے۔ توریت کی چوتھی کتاب گنتی کے باب ۲۲ سے ۲۴ تک دیکھنے سے اس قصہ کی تکذیب ہوتی ہے۔ وہاں صریح مرقوم ہے کہ موابیوں کے بادشاہ بلق نے ہر چند بلعم سے حضرت موسیٰ کے خلاف دعا کرانی چاہی، بہت کچھ طمع اور لالچ بھی دیا، مگر اس بندہ خدا نے ہرگز بنی اسرائیل کے خلاف دعا نہ کی، بلکہ برکت کی نیک دعا اس کے سامنے کی، چنانچہ بادشاہ بلق اس سے سخت ناراض ہوا۔ مگر وہ یہی کہتا رہا کہ میں تو وہی کہوں گا جو خداوند میرے منہ میں ڈالے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس قصہ کو فرعون کی طرف لگایا ہے۔ کیونکہ بنی اسرائیل کو فرعون کا قصہ سنانا ایک طرف مناسبت بھی رکھتا ہے۔ اس آیت میں اتینٰہ اٰیٰتنا فانسلخ منھا آیا ہے تو دوسری جگہ فرعون کے حق میں اریناہ اٰیٰتنا کلھا فکذب وابیٰ فرمایا ہے۔ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔"[۲۶]

اس حوالے سے ہمیں مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کا قول زیادہ پسند ہے۔ وہ رقمطراز ہیں: "ایسا کوئی شخص عہد سلف میں گزر چکا ہے۔ کون تھا؟ کہاں کا تھا؟ کب تھا؟ یہ متعین نہیں اور جب قرآن اس بارے میں ساکت ہے تو کسی فرد کی تعیین پر اصرار صحیح ہی نہیں۔"[۲۷]

(۱۵)

ماکان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین۔ (التوبہ:۱۱۳)

نبی اور مومنوں کی شان سے بعید ہے شرک کرنے والوں کے حق میں بخشش مانگیں۔ (مولانا امرتسریؒ)

اس ترجمہ میں تفرد ہے جو بڑا لطیف ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے چند تراجم نقل کر دیے جائیں۔

(۱) نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں۔ (مولانا رضا بریلوی)

(۲) لائق نہیں نبی کو اور مسلمانوں کو کہ بخشش چاہیں مشرکوں کی۔ (مولانا محمود حسنؒ)

(۳) پیغمبر کو اور ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں، ایسا کرنا سزاوار نہیں کہ جب واضح ہو گیا، یہ لوگ دوزخی ہیں تو پھر مشرکوں کی بخشائش کے طلبگار ہوں۔ (مولانا ابوالکلام آزاد)

ان تراجم میں ''لائق نہیں'' اور ''سزاوار نہیں'' کے الفاظ اور اسلوب بیان سے یہ تاثر ملتا ہے کہ نبی اور اہل ایمان سے یہ امر واقع ہوا تھا تبھی ممانعت وارد ہوئی، کم و بیش تمام ہی مترجمین نے اپنے اپنے ترجموں میں اسی امر کو ملحوظ رکھا ہے۔ ہمارے نزدیک اس طرح کے تمام تراجم بیان الزام کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ کو ان ترجموں کے ذیل میں شان نزول کے ضمن میں مختلف روایات کا سہارا لیا گیا ہے۔ کو بعض نے بعض روایات کو ضعیف قرار دے کر انکار بھی کیا ہے۔ مگر بحیثیت مجموعی کوئی نہ کوئی روایت تسلیم بھی ضرور کی ہے۔ اسی لیے اس طرح کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ مگر مولانا امرتسریؒ نے اس آیت کے ترجمہ کو جس اسلوب میں لکھا ہے۔ اس سے بجائے الزام کے، رفع الزام کا تاثر ملتا ہے۔ انہوں نے اس کے شان نزول میں کسی قسم کی کوئی روایت بھی درج نہیں کی ہے۔ ان کا ترجمہ ایک بار پھر ملاحظہ کیجئے۔

''نبی اور مومنوں کی شان سے بعید ہے۔ شرک کرنے والوں کے حق میں بخشش مانگیں ......''

چونکہ ''ماکان'' کا اسلوب، الزام اور رفع الزام دونوں کے لیے آتا ہے۔ اس لیے کوئی بعید نہیں کہ یہاں بھی یہ رفع الزام کے معنی میں ہو۔ بایں صورت اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ بات درست نہیں ہے کہ نبی اور مومنین شرک کرنے والوں کے حق میں اللہ سے معافی کے طلب گار ہوئے تھے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں کو شبہ ہوا ہو یا انہوں نے الزام عائد کیا ہو کہ نبی اور مومنین اپنے مرحوم رشتہ داروں کے لیے دعائے مغفرت کے طالب ہوئے ہیں، پس قرآن کریم نے وضاحت کر دی کہ ''نبوت و ایمان'' کے ساتھ بھلا ایسا کب ممکن ہے کہ مشرکوں کی محبت میں مبتلا ہو کر ان کے لیے دعائے مغفرت کی جائے۔ اس مفہوم (یعنی رفع الزام) کی ادائی امرتسریؒ کے ترجمہ سے مترشح ہے۔ اور یہی اس کی انفرادیت ہے۔

(۱۶)

قل هل من شركآئكم من يبدؤا الخلق ثم يعيده قل الله يبدؤا الخلق ثم يعيده فانّى توفكون. (یونس:۳۴)

تو پوچھ کر تمہارے ساتھیوں میں سے کوئی مخلوق کو پیدا کر کے فنا کر سکتا ہے۔ تو کہہ کہ اللہ ہی اوّل مرتبہ پیدا کرتا ہے۔ اور پھر اسے فنا بھی کر دیتا ہے تو کہاں کو الٹے جا رہے ہو۔ (مولانا امرتسریؒ)

ثناء اللہ امرتسریؒ نے ''یعیدہ'' کا ترجمہ فنا سے کیا ہے۔ دوبارہ زندہ کرنے سے نہیں۔ اس ضمن میں ان کی دلیل یہ ہے کہ ثم الیہ مرجعکم سے اسی معنی کی تائید ہوتی ہے۔ اور دوسری دلیل کفار کے مسلمات پر مبنی ہے۔ مطلب یہ کہ مشرکین چونکہ دوسری زندگی کے قائل نہ تھے۔ اس لئے اس معنی کو ان پر کیسے دلیل بنایا جا سکتا ہے۔ ۱۳۹

یہ ترجمہ چونکہ انفرادیت کا حامل ہے۔ اس لئے انہوں نے اس کی توجیہ بھی ساتھ پیش کی ہے۔ دیگر مترجمین مثلاً مولانا محمود حسنؒ، ڈپٹی نذیر احمدؒ، اور شاہ عبدالحق حقانیؒ نے ''یعیدہ'' کو دوبارہ زندہ کرنے کے معنی میں ہی لکھا ہے۔ جبکہ مولانا احمد رضا خان

بریلویؒ نے اپنے ترجمے میں دونوں معانی کو جمع کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"تم فرماؤ تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے کہ اوّل بنائے پھر فنا کے بعد دوبارہ بنائے تم فرماؤ اللہ اوّل بناتا ہے۔ پھر فنا کے بعد دوبارہ بنائے گا تو کہاں اوندھے جاتے ہو۔" (کنز الایمان)

بلاشبہ یہ بھی ایک اچھا بلکہ جامع ترجمہ ہے مگر چونکہ امرتسریؒ کے بعد ہوا ہے اس لیے تفرد انہیں کو حاصل رہے گا۔

(۱۷)

وآتینا ثمود الناقة فظلموا بہا. (بنی اسرائیل ۵۹)

اور ہم نے ثمود کی قوم کو اونٹنی کا کھلا ہوا نشان دیا۔ پھر بھی انہوں نے اس سے انکار کیا۔ (مولانا امرتسریؒ)

حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی آیت قرار دیا ہے۔ یہ اونٹنی کس طرح پیدا ہوئی، اس پر تفسیر ثنائی کے مفسر نے لکھا ہے:

"حضرت صالح کی اونٹنی کو کھلا نشان تو کہا گیا ہے مگر یہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ اس کی پیدائش کس طریق سے ہوئی تھی، جن لوگوں نے کہا ہے کہ پتھر سے نکلی تھی۔ یہ ان کا محض اپنا خیال ہے۔ کوئی آیت یا حدیث اس دعوے کی سند نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس اونٹنی کی پیدائش کسی ایسے طریق سے تھی، جو نبوت کے لیے واضح دلیل ہو سکے۔"۹ع

مولانا امرتسریؒ کی رائے آپ نے ملاحظہ کی۔ اب ذیل میں ڈپٹی نذیر احمدؒ کی رائے دیکھیے ..... "قوم ثمود نے حضرت صالح سے یہ درخواست کی تھی کہ پہاڑ سے اونٹنی پیدا ہو۔"۹ع، شاہ عبدالحق حقانیؒ کی رائے بھی ملاحظہ کیجیے ..... "قوم ثمود نے صالح علیہ السلام سے اونٹنی کا سوال کیا۔ ان کے کہنے کے موافق اونٹنی پیدا ہوئی۔"۱ع، اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے ..... "قوم ثمود نے حضرت صالح سے درخواست کی تھی کہ پہاڑ کی فلاں چٹان میں سے اونٹنی نکال دیجیے۔ خدا نے نکال دی۔"۲ع

مذکورہ بالا مفسروں نے اونٹنی کی پیدائش پہاڑ کی چٹان سے متعلق مانی ہے۔ جبکہ مولانا امرتسریؒ نے اس عام بات کا انکار کیا ہے۔ واضح رہے کہ ان کے عہد کے دیگر دو مفسرین مولانا نعیم الدین مراد آبادیؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اس مسئلہ پر اپنی کوئی رائے یا خیال ظاہر نہیں کیا ہے۔ بایں طور کہا جا سکتا ہے کہ اس میں مولانا امرتسریؒ نے منفرد رائے اختیار کی ہے اگر یہ رائے ان سے پہلے کسی اور کے ہاں بھی ہو تو مجھے اس کا پتہ نہیں۔

(۱۸)

قال اما من ظلم فسوف نعذبہ ثم یرد الیٰ ربہ فیعذبہ عذابا نکرا ○ واما من آمن و عمل صالحاً فلہ جزاء ن الحسنیٰ. (الکہف ۸۷-۸۸)

اس نے کہا، جو کوئی ظلم کرے گا ہم اس کو سزا دیں گے۔ پھر وہ اپنے پروردگار کے پاس جائے گا تو وہ بھی اس کو سخت سزا دے گا اور جو امن دے گا اور نیک عمل کرے گا تو اس کو اچھا بدلہ ملے گا۔ (مولانا امرتسریؒ)

اس ترجمہ کے ذیل میں امرتسری صاحبؒ نے لکھا ہے۔

''.....بعض بلکہ اکثر علماء نے یہاں پر جو ظلم اور ایمان کے معنی کیئے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ ظلم سے مراد شرک وکفر ہے اور ایمان سے مراد اسلام ہے۔ ذوالقرنین نے اپنی رعیت میں اعلان کیا کہ جو کوئی شرک کرے گا اس کو سزا دوں گا اور جو ایمان لائے گا اس کو نوازدوں گا۔ چونکہ یہ معنی اصول شریعت کے برخلاف ہیں۔ کیونکہ شریعت کا قانون ہے کہ رعایا خواہ مشرک ہو، اس کی بھی حفاظت کی جاتی ہے نہ یہ کہ ان کو شرک کرنے پر سزا ملتی ہے۔ اس لئے میں نے یہ معنی نہیں کیئے۔'' ۴۳

اس آیت کا ڈپٹی نذیر احمدؒ، مولانا محمود حسنؒ اور مولانا آزادؒ نے جو ترجمہ کیا ہے وہ امرتسری صاحبؒ کے ترجمہ جیسا ہے۔ البتہ مولانا بریلویؒ اور ان کے محشی سید نعیم الدین مراد آبادیؒ نے جو ترجمہ و حاشیہ لکھا ہے۔ وہ وہی ہے، جس کی امرتسریؒ نے اپنے حاشیہ میں تغلیط کی ہے۔ اسے ہم مولانا امرتسریؒ کا تفرد تو نہیں کہہ سکتے البتہ ان کا تفسیری مختار و امتیاز ضرور کہہ سکتے ہیں۔

(۱۹)

وقال الظّٰلمون ان تتبعون الّا رجلاً مسحورا. (الفرقان:۸)

ظالم کہتے ہیں کہ تم ایک ایسے شخص کی پیروی کرتے ہو جو راہ سے ہٹا ہوا ہے۔ (مولانا امرتسریؒ)

مولانا امرتسریؒ نے اس ترجمہ پر نوٹ لکھا ہے:

''اس آیت کا ترجمہ طبع اول کے وقت جادو کیا گیا تھا'' لکھا تھا۔ اس کے بعد لغت کی کتاب منتہی الارب پر نظر پڑی تو اس میں دیکھا کہ مسحور کے معنی ''برگردانیدہ شدہ از حق'' بھی لکھے ہیں۔ چونکہ قرینہ اور شہادت قرآنیہ (فانّی تسحرون) سے یہ معنی راجح معلوم ہوتے ہیں اس لئے طبع ثانی میں یہی پسند کیئے گئے۔'' ۴۴

آیت میں رجلاً کے معنی اس مرد کے لئے گئے ہیں جس پر جادو ہوا ہو۔ اور یہ ترجمہ بالعموم تمام ہی مترجمین نے کیا ہے۔ مگر مولانا امرتسریؒ نے اس معنی سے ہٹ کر، جو نیا ترجمہ کیا ہے وہ از روئے نظم قرآن، دونوں پہلوؤں کا جامع ہے۔ اس ترجمہ میں مولانا کا تفرد بالکل واضح ہے۔

(۲۰)

فاخرجنٰھم من جنّٰت وعیون و کنوز ومقام کریم ○ کذٰلک واورثنٰھا بنی اسرائیل ○ (الشعراء:۵۷۔۵۹)

پس ہم (خدا) نے ان کو باغوں اور چشموں اور خزائن اور عزت دار مقاموں سے باہر نکال دیا۔ واقع تو ایسا ہی ہے اور ہم نے ان کا مالک بنی اسرائیل کو کر دیا۔ (مولانا امرتسریؒ)

اس ترجمہ پر مولانا امرتسریؒ نے یہ نوٹ لکھا ہے۔

''تاریخ بنی اسرائیل میں ثبوت نہیں ملتا ہے کہ بنی اسرائیل کی حکومت مصر پر ہوئی تھی۔ پھر قرآن مجید نے ان باغات وغیرہ کی توریث بنی اسرائیل کے لئے کیوں بتائی جواب یہ ہے کہ علم بلاغت میں ایک صنعت

استخدام ہے۔ جس میں ضمیر ہو بہو ماقبل مذکور کی طرف نہیں پھرتی بلکہ اس کی مثل کی طرف پھرا کرتی ہے۔
یہ مقام صنعت استخدام کی قسم سے ہے یعنی جنات، عیون اور کنوز وغیرہ جو فرعونی لوگ چھوڑ گئے تھے اسی قسم کے باغات ہم نے بنی اسرائیل کو دیئے۔ ملاحظہ ہو۔[۵]

اس نوٹ سے مولانا امرتسریؒ کی قرآن فہمی خوب ظاہر ہوتی ہے۔ اس نوٹ کے بعد مولانا کا تفسیری امتیاز بلکہ تفرد، بالکل عیاں ہے۔

کذلک و اورثنٰھا بنی اسرائیل. کا ترجمہ مولانا محمود حسنؒ نے جو کیا ہے وہ حیرت انگیز طور پر مولانا امرتسریؒ کے نوٹ کے مطابق ہے۔ دیکھئے۔

"اسی طرح، اور ہاتھ لگا دیں ہم نے بنی اسرائیل کے" یہ ترجمہ میں "اور" کے اضافہ نے صورتحال صنعت استخدام کی واضح کر دی ہے۔ مگر افسوس کہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا حاشیہ اس ترجمہ کا ساتھ نہ دے سکا۔ اور وہ مترجم کے لفظ "اور" کی بلاغت واضح نہ کر سکے۔ اسی لیے تو لکھ گئے۔ "یا تو اس کے بعد ہی یہ چیزیں بنی اسرائیل کے ہاتھ لگیں اور یا ایک مدت بعد سلیمان علیہ السلام کے عہد میں جب ملک مصر بھی ان کی سلطنت میں شامل ہوا۔ (واللہ اعلم)"[۶]

جبکہ امر واقعہ یہ ہے کہ اورثنٰھا سے مراد مطلق باغوں اور خزانوں کا وارث بنانا ہے۔ نہ کہ فرعون کے باغوں اور خزانوں کا وارث بنانا۔

(۲۱)

یا ایھا الملؤا انی القی الی کتٰب کریم ○ انہ من سلیمان و انہ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ○ (النمل: ۳۰)

میرے درباریو میرے پاس ایک معزز مراسلہ آیا ہے کچھ شک نہیں کہ وہ سلیمان کی طرف سے ہے، اور تحقیق وہ اللہ رحمٰن کے نام سے شروع ہے۔ (مولانا امرتسریؒ)

اس مقام پر مولانا امرتسریؒ نے جو نوٹ لکھا ہے۔ اس سے ان کی شانِ تفرد واضح ہے۔ فرماتے ہیں:

"جو لوگ کہتے ہیں کہ انہ من سلیمٰن سے مراسلہ شروع ہوتا تھا، غلط ہے کیونکہ حضرات انبیاء کا طریق خط نویسی کا یہی تھا کہ مضمون اور اپنے نام سے پہلے بسم اللہ لکھا کرتے تھے۔ حضرت سلیمان نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ ملکہ سبا نے مراسلہ کے نویسندہ کا نام از خود پہلے بتلایا تھا ورنہ وہ اصل میں بسم اللہ سے پیچھے تھا۔"[۷]

مولانا کی عبارت بالکل واضح ہے۔ اس لئے اس پر مزید کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہوگا۔ اس ضمن میں میں نے متعدد کتب تفاسیر دیکھی ہیں۔ وہاں مجھے ایسی کوئی وضاحت نظر نہیں آئی۔ جو مولانا امرتسریؒ کے ہاں موجود ہے۔ اس لئے اس جگہ مولانا کو واقعی انفرادیت کا شرف حاصل ہوا ہے۔

(۲۲)

امن خلق السمٰوٰت و الارض و انزل من السمآء مآء فانبتنابه حدآئق ذات بهجة.

(النمل: ۶۰)

کون ہے جس نے آسمان بنائے اور زمین پیدا کی اور اوپر سے پانی اتارتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ خوشنما باغ اُگاتا ہے۔ (مولانا امرتسریؒ)

امرتسری صاحب نے انبتنا کا ترجمہ صیغۂ متکلم میں کرنے کے بجائے صیغۂ غائب سے کیا۔ اور اس کی وجہ میں لکھا ہے۔

''عربی میں تو غائب سے متکلم کی طرف التفات ہے مگر اردو محاورہ میں یہ التفات نہیں ملتا۔ اس لئے غائب ہی کے صیغے سے ترجمہ کیا گیا ہے۔'' ۸۲

یہ بھی ایک طرح کا تفرد ہے جسے اختیار کیا گیا ہے مگر ہمارے مترجمین کرام نے تو قرآن مجید کے مستعمل صیغوں کو بعینہٖ ٹرانسلیٹ کیا ہے۔ مثلاً مولانا بریلویؒ کا ترجمہ دیکھئے۔

''یا وہ جس نے آسمان و زمین بنائے اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اس سے باغ اُگائے رونق والے۔''

اسی طرح مولانا محمود حسنؒ، اور شاہ عبدالحق حقانیؒ وغیرہ کو دیکھا جا سکتا ہے۔

(۲۳)

وتری الجبال تحسبها جامدةً وهی تمرُّ مر السحاب. (النمل: ۸۸)

اور تم پہاڑوں کو دیکھ کر سمجھو گے کہ ایک جگہ جمے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑتے ہوں گے۔ (مولانا امرتسریؒ)

حاشیہ میں لکھا ہے:

''اس آیت میں ترٰی کا لفظ ہے۔ جو مضارع کا صیغہ ہے۔ عربی زبان میں فارسی کی طرح مضارع دونوں (حال و استقبال) کیلئے آتا ہے۔ پس اس قاعدہ سے اس آیت کے بھی دو معنی ہوں گے۔ ایک استقبال کے جو ہم نے کیئے ہیں دوسرے حال کے۔ حال کے معنی پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ پہاڑوں کو ایک جگہ قائم دیکھ کر ان کو جمے ہوئے سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ بادلوں کی طرح تیز چل رہے ہیں۔ یعنی زمین کی حرکت کی طرف اشارہ ہے۔ جو آج کل حکماء یورپ کی تحقیق ہے۔ قرآن مجید نے صدیوں پیشتر اس کی خبر دے رکھی ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو۔ قل انزله الذی یعلم السر فی السمٰوٰت و الارض. ممکن ہے یہ معنی کسی عالم کی رائے کے خلاف ہوں لیکن قرآن مجید کے الفاظ کے برخلاف نہیں۔'' ۸۳

مولانا امرتسریؒ نے آیت کے سیاق و سباق کو ملحوظ رکھتے ہوئے آیت کا ترجمہ کیا۔ اور اپنے ترجمے کی وضاحت میں تفسیری کلام بھی لکھا۔ مگر اضافی نوٹ کی صورت میں انہوں نے آیت کے دوسرے معنی لکھ کر اپنا تفرد ظاہر کیا ہے۔

یہاں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے تفسیری نوٹ کا تفرد ملاحظہ کیجئے جسے انہوں نے تنبیہ کے عنوان سے لکھا ہے۔

''لہٰذا آیت ہٰذا کو زمین کی حرکت و سکون کے مسئلہ کیلئے کچھ علاقہ نہیں، جیسا کہ بعض متنورین نے سمجھا ہے'' ۵۰

لیکن مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے اس آیت پر جو حاشیہ لکھا ہے وہ مولانا امرتسریؒ کے حق میں جاتا ہے فرماتے ہیں:

> ''حال کے ایک ہندی مفسر قرآن نے تمر کے صیغۂ مضارع کو بجائے مستقبل کے صرف حال کے معنی میں لے کر آیت سے حرکتِ ارض پر استدلال کیا ہے اور آیت کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ پہاڑ جو بظاہر بالکل تھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ دراصل بادل کی سی تیزی کے ساتھ رواں ہیں۔ یہ معنی اگرچہ سیاقِ قرآنی سے بہت دور ہیں تاہم تفسیر بالرائے نہیں کہے جاسکتے اور جواز کی گنجائش کسی نہ کسی حد تک رکھتے ہیں'' ۵۱

اور محمد علی لاہوری نے لکھا ہے: ''بعض نے وھی تمر میں واؤ کو واؤ حالیہ لیا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تو پہاڑوں کو اپنی جگہ پر تھے ہوئے سمجھتا ہے۔ جو ہلتے نہیں، اور وہ بادل کی تیزی کے ساتھ چل رہے ہیں کیونکہ زمین کے ساتھ وہ چکر کھا رہے ہیں'' بہر حال مولانا امرتسریؒ نظریہ حرکتِ زمین کے حق میں اس دور میں قرآن مجید سے استدلال کر رہے تھے، جب یہ نظریہ Stabilish نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے ایک اور مقام پر بھی اس مسئلہ پر اپنی رائے دی ہے فرماتے ہیں: ''حرکتِ زمین کا ثبوت اگر کسی علمی دلیل سے ہو جائے تو قرآن شریف کے مخالف نہیں نہ قرآن مجید کو اس سے انکار ہے ہاں اگر کچھ ضعف ہے تو ان دلائل میں ہے، جو اس دعویٰ (حرکت) کے اثبات میں پیش کی جاتی ہیں سو اگر کسی قوی دلیل سے یہ دعویٰ ثابت ہو جائے تو چشم ما روشن دل ما شاد۔ ہمیں بھی اس کی تسلیم سے انکار نہیں۔'' ۵۲ نیز سورۂ یٰسین کی آیت ۳۷ کے حاشیہ میں اس بحث کو ایک نئے ڈھب سے اٹھاتے ہیں۔ آپ بھی دیکھئے۔

گذشتہ زمانہ کے یونانی فلاسفروں کی کثرت رائے تو اس پر تھی کہ سورج اپنے طور پر حرکت کرتا ہے جو مغرب سے مشرق کو ہے۔ اور فلک الافلاک سب کو مشرق سے مغرب کی طرف لاتا ہے، جس کا نام یومیہ حرکت ہے۔ زمین کو بالکل ساکن مانتے تھے مگر زمانہ حال کے یورپی فلاسفروں کی تحقیق یہ ہے کہ زمین اور دیگر سیارے سب کے سب سورج کے گرد گھومتے ہیں اور سورج فقط اپنے محور میں متحرک ہے۔ یہ مسئلہ کہ زمین حرکت کرتی ہے یا آسمان، بحث طلب ہے۔ ہماری تحقیق یوں ہے کہ زمانہ حال کے فلاسفر اگر پر زور دلائل سے زمین کی حرکت ثابت کر دیں تو قرآن مجید کو اس کی تسلیم سے انکار نہیں بلکہ بعض مقامات سے تائید ملتی ہے۔ (بشرطیکہ دلائل قویہ سے زمین کی حرکت ثابت ہو جائے) اور اگر زمین کا سکون اور سورج کی حرکت ثابت ہو جیسا کہ گزشتہ فلسفہ کی تحقیق ہے اور مشاہدہ بھی اس کی شہادت دیتا ہے تو اس سے بھی قرآن مجید کو انکار نہیں۔ بہر حال یہ مسئلہ ثبوتاً یا نفیاً قرآن مجید کے مخالف نہیں ہے۔ اس لئے ہم نے جو تفسیر کی ہے نہ تو حدیث کے خلاف ہے، نہ فلسفہ قدیم یا جدید کے مخالف فلسفہ جدیدہ کو انکار ہے تو حرکتِ یومیہ سے ہے کیونکہ جدید فلاسفروں کے نزدیک یومیہ زمین کی حرکت کا نام ہے۔ ہمارے ترجمہ اور تفسیر میں بھی اس حرکت کا ذکر نہیں بلکہ سورج کی اپنی محوری حرکت کا ذکر ہے، جو دونوں فلسفوں میں مسلّم ہے۔ ۵۳

(۴۴)

ومن جاء بالسيئة فكبت وجوههم في النار هل تجزون الا ما كنتم تعملون. (النمل: ۹۰)

اور جو لوگ برے کام لے کر آئیں گے ان کو آگ میں اوندھا کر کے ڈالا جائے گا جو کچھ انہوں نے برے عمل کیے ہوں گے وہی ان کو بدلہ ملے گا۔ (مولانا امرتسری)

مولانا کے بقول "چونکہ اردو میں التفات نہیں ہوتا اس لئے ترجمہ غائب کے صیغے سے کیا گیا"۔ آپ نے دیکھا کہ تجزون اور تعملون کو بجائے صیغۂ مخاطب میں ٹرانسلیٹ کرنے کے، صیغۂ غائب میں ٹرانسلیٹ کیا گیا ہے۔ اس طرح کے تراجم مولانا کے تفردات میں شامل ہیں۔ جو متعدد جگہوں پر کیے گئے ہیں۔

(۴۵)

وما کنت بجانب الغربی اذ قضینا الیٰ موسیٰ الامر وما کنت من الشٰھدین. ولکنا انشانا قروناً فتطاول علیھم العمر وما کنت ثاویاً فی اھل مدین تتلوا علیھم ایتنا ولکنا کنا مرسلین ۝ وما کنت بجانب الطور اذ نادینا ولکن رحمة من ربک لتنذر قوماً ما اتٰھم من نذیر من قبلک لعلھم یتذکرون. (قصص:۴۵-۴۶)

تو مغربی جانب پر نہ تھا جب ہم نے موسیٰ کو حکم سپرد کیا اور نہ تو حاضر تھا اور نہ تو مدین والوں میں ان کو ہمارے احکام پڑھ پڑھ کر سناتا تھا اور نہ کوہ طور کی کسی طرف تھا۔ جب ہم نے پکارا لیکن ہم نے بہت سی قومیں پیدا کیں پھر ان پر زمانہ دراز غفلت کا گزر گیا۔ تو ہم نے محض رحمت سے تجھکو رسول کر کے بھیجا کہ تو اس قوم کو ڈرا دے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تا کہ وہ نصیحت پاویں۔ (مولانا امرتسری)

اور اپنے تفسیری ترجمہ میں لفظ رحمت پر یہ خصوصی نوٹ لکھا ہے۔

"اس آیت کا ترجمہ بہت مشکل معلوم ہوا۔ تین دفعہ لیکن سے استدراک ہے۔ پھر اس کا مستثنیٰ منہ سب مفرغ ہے۔ اس لیے میں نے جو ترجمہ کیا ہے اصل کلام یوں سمجھ کر کیا ہے۔ ما کنت من الشاھدین وما کنت ثاویا فی اھل مدین تتلوا علیھم ایاتنا وما کنت بجانب الطور اذ نادینا ولکن انشانا قروناً فتطاول علیھم العمر فارسلناک رحمة منا لتنذر قوماً. اس پر اگر کوئی اعتراض ہو تو میں سن کر غور کروں گا۔ انشاء اللہ اللّٰھم فھمنی القرآن. ۵۴"

اس طرح کا ترجمہ بالعموم نہیں کیا جاتا مگر مولانا امرتسریؒ کبھی کبھی بحیثیت مجموعی کئی آیتوں کو اسی انداز میں ملا کر قرآنی فہم کشید کرتے ہیں۔ جیسا کہ یہاں کیا ہے۔ بلاشبہ اس ترجمہ میں ان کو تفرد حاصل ہے۔ اضافی بحث کے لیے عرض ہے کہ مولانا امرتسریؒ نے اپنے ترجمہ میں کنا مرسلین کا ترجمہ رسول واحد سے کیا ہے (اور مراد رسول اللہ کو لیا ہے) نہ کہ متعدد رسولوں کو۔ جیسا کہ مولانا محمود حسنؒ نے کیا ہے کہ "ہم رہے ہیں رسول بھیجتے" اور حقانی صاحبؒ نے بھی اسی پہلو سے کیا ہے۔ "ہم رسول بھیجتے رہے" البتہ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے تراجم میں مولانا امرتسریؒ کا تتبع پایا جاتا ہے۔ ذیل میں دونوں کے الفاظ ملاحظہ کیجئے۔

ہم آپ ہی کو رسول بنانے والے تھے۔ (عبدالماجد دریابادی)

اور حاشیہ میں لکھا ہے: "مرسلین جمع تعظیمی ہے۔" البتہ انہوں نے تعدد رسل کا مفہوم بھی درست قرار دیا ہے۔

"ہم تم کو ایک رسول بنانے والے تھے۔" (امین احسن اصلاحی)

اور تفسیر میں وضاحت کی ہے کہ "کنا مرسلین اسی طرح کا اسلوب ہے، جس طرح کنا فاعلین ہے۔ یہ اسلوب کلام کسی فیصلہ قطعی اور عزم جازم کے اظہار کے لیے آتا ہے۔"۵۵

(۲۶)

وانزلنا من السماء ماء فانبتنا فیھا من کل زوج کریم ○ (لقمان:۱۰)

اور اوپر سے پانی اتارتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ زمین پر ہر قسم کی عمدہ عمدہ چیزیں اگاتا ہے۔ (مولانا امرتسری)

اس ترجمہ میں مولانا کا امتیاز یہ ہے کہ وانزلنا، جو ماضی کا صیغہ ہے، اسے فعل استمرار سمجھتے ہوئے زمانہ حال سے کیا گیا ہے۔ اور تفرد یہ ہے کہ وانزلنا کو بجائے متکلم میں ترجمہ کرنے کے غائب سے ترجمہ کیا گیا ہے ان کا موقف ہے کہ "اس قسم کا التفات اردو میں نہیں ہے۔"۵۶ واضح رہے کہ قبل ازیں بھی اسی قسم کا ترجمہ اپنایا گیا ہے۔

(۲۷)

فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکذبین ام حسب الذین ان یسبقونا ساء ما یحکمون ○ (عنکبوت:۳-۴)

پھر ہم ان لوگوں کو جدا کر دیں گے جو سچے ہیں۔ اور ان لوگوں کو جو جھوٹے ہیں۔ کیا برے کام کرنے والے سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم سے آگے بڑھ جائیں گے؟ بہت برا خیال کرتے ہیں۔ (مولانا امرتسری)

فلیعلمن۔ جو علم سے مضارع واحد مذکر غائب با نون تاکید ثقیلہ کا صیغہ ہے اسی طرح ولیعلمن ہے۔ مگر مولانا امرتسری نے اسے صیغہ متکلم سے ترجمہ کیا ہے۔ اس لئے کہ آگے یسبقونا میں "نا" جمع متکلم کی آ رہی ہے۔ ان کا موقف ہے کہ "اردو میں اس قدر جلدی التفات کہ متکلم سے غائب اور غائب سے پھر متکلم ہو کچھ مستحسن نہیں اس لئے ہم نے ترجمہ میں التفات کا لحاظ نہیں کیا۔"۵۷ اس طرح کا اسلوب اختیار کرنا مولانا کا تفرد معلوم ہوتا ہے۔

(۲۸)

والنا لہ الحدید (سبا:۱۰)

اور اسی کے لئے ہم نے لوہے کو نرم کر دیا۔۵۸

مولانا نے حاشیہ میں لکھا ہے:

"النا لہ الحدید میں تین چیزیں ہیں۔ فاعل، مفعول بہ اور جار مجرور (لہ) قاعدہ عربی کے مطابق فاعل کے بعد مفعول بہ اور اس کے بعد جار مجرور ہوتے ہیں تو کلام یوں چاہئے تھا۔ النا الحدید لہ، لیکن علم معانی کا

قاعدہ ہے کہ تقدیم ما حقہ التاخیر یفید الحصر یعنی جس لفظ کا حق پیچھے آنے کا ہے۔ اگر وہ کسی کلام میں پہلے لایا جائے تو اس سے حصر کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ پس آیت موصوفہ میں چونکہ جار مجرور (لہ) کو مفعول بہ سے مقدم رکھا گیا ہے۔ اس لئے صحیح ترجمہ یہ ہوتا کہ ہم نے اس کے لیے لوہا زم کر دیا۔ اس ترجمہ سے جو خصوصیت مفہوم ہوتی ہے وہ ارباب دانش پر واضح ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تلیین کسی ایسی طرح سے تھی۔ جو حضرت داؤد سے خصوصیت رکھتی تھی۔ پس جو لوگ کہتے ہیں اس تلیین سے مراد وہی تلیین ہے، جو عموماً آج کل لوہے کے کارخانوں میں دیکھی جاتی ہے کہ ہزاروں من لوہا ڈھل کر پانی کی طرح بہہ رہا ہے۔ وہ آپ ہی بتلائیں کہ ان معنی سے وہ خصوصیت جو آیت سے مفہوم ہوئی ہے رہ سکتی ہے۔'' ۵۹

بلاشبہ مولانا کا ترجمہ عربی قاعدہ کے عین مطابق ہے اور اس زور کو اچھی طرح واضح کر رہا ہے جو اس کا متقاضی ہے۔ اس فقرہ کا ترجمہ دوسرے مترجمین کے ہاں حصر کے بغیر ہے۔ مثلاً اور ہم نے اس کے لیے لوہا زم کیا۔ (مولانا بریلوی)

اس طرح کے تراجم شاہ عبدالحق حقانیؒ ، مولانا محمود حسنؒ ، مولانا اصلاحیؒ ، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے بھی کیے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کے تراجم میں وہ خصوصیت نہیں نظر آتی جو مولانا امرتسریؒ کے ہاں ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ مولانا امرتسریؒ کے ترجمے میں تفرد پایا جاتا ہے۔

(۲۹)

يعملون له ما يشآء من محاريب وتماثيل وجفان كالجواب وقدور راسيت. (السبا:۱۳)

جو کچھ وہ چاہتا اس کے لیے قلعے نقشے بڑے بڑے حوضوں کے مانند پیالے اور بھاری بھاری دیگیں بناتے۔ (مولانا امرتسریؒ)

مولانا محمود حسنؒ نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

بناتے اس کے واسطے، جو کچھ چاہتا قلعے اور تصویریں اور لگن جیسے تالاب اور دیگیں چولہوں پر جمی ہوئی۔

آیت مذکورہ میں تماثیل کے ترجمے میں مولانا امرتسریؒ کو تفرد حاصل ہے۔ اس کا ترجمہ دیگر مترجمین کے ہاں ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

مجسمے۔ (اصلاحیؒ)

تصویریں۔ (احمد رضاؒ)

مجسمے۔ (محمد علی لاہوری)

مجسمے۔ (عبدالماجدؒ)

صورتیں۔ (حقانیؒ)

تصویریں۔ (محمود حسنؒ)

تمثال کے معنی پر مولانا نے جو تشریح کی ہے۔ وہ لائق توجہ ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

''تماثیل جمع ہے تمثال کی۔ تمثال سے مراد اس جگہ نقشے ہیں۔ جو جنگی ضرورتوں کے لحاظ سے کبھی تو اپنے ملک میں جنگی عمارات بنانے کے لئے بناتے ہیں۔ جن لوگوں نے تماثیل کے معنی صورتیں اور تصویریں لے کر کیا ہے کہ اس زمانے میں تصویریں بنانی جائز تھیں مذہب اسلام میں منع ہو گئیں۔ جن کی ممانعت کا ثبوت حدیثوں میں ہے۔ ان کا یہ کہنا سیاق آیت کے برخلاف ہے کیونکہ سیاق آیت سے مفہوم ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی سلطنت کی مضبوطی اور سامان جنگ کا بیان کرنا مقصود ہے۔ پھر ایسے موقع پر محراب یعنی قلعوں کے ساتھ تصویروں کو کیا مناسبت ہو سکتی ہے؟ بلکہ مناسبت تو یہ ہے کہ قلعہ اور قلعوں کے نقشے تو جنگی ضرورت کے لئے ہوتے ہیں۔ جن کی ضرورت کسی باخبر سے مخفی نہیں۔ قلعے تو اپنی حفاظت اور مدافعت کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ نقشے کبھی اپنے ملک میں عمارات ضروریہ بنانے کے لیے بنائے جاتے ہیں اور کبھی دوسری سلطنت کے قلعوں پر آگاہ ہونے کے لئے بناتے ہیں .... غرض جو کچھ اس آیت میں مذکور ہے یہ سب ملک داری کی حیثیت سے ہے۔ تصویروں کی ملک داری میں نہ اس وقت ضرورت تھی نہ اب ہے۔ پس جو لوگ اس آیت سے تصویر سازی اور تصویر داری کا ثبوت نکالتے ہیں ان کا قول بھی چونکہ تماثیل کے مذکورہ ترجمہ اور تفسیر پر مبنی ہے۔ اس لئے صحیح نہیں''۔[۷۹]

مولانا کا یہ حاشیہ قرآنی سیاق و سباق کے مطابق لگتا ہے۔ اس لیے تماثیل کے معنی جو نقشے سے کیے گئے ہیں اور قبل ازیں محاریب کے معنی قلعوں سے۔ تو ان دونوں میں جو ربط و تعلق ہے محتاج بیان نہیں۔ اس لئے میں اس ترجمہ کو بھی مولانا کے تفرد میں شمار کرتا ہوں۔

(۳۰)

الم تر ان اللّٰہ انزل من السمآء مآءً فاخرجنا بہ ثمرات مختلفاً الوانھا۔ (س، فاطر ۲۷)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ اوپر کی طرف سے پانی اتارتا ہے پھر اس کے ساتھ مختلف رنگوں کے پھل پیدا کرتا ہے۔ (مولانا امرتسری)

''فاخرجنا'' جمع متکلم کا صیغہ ہے مگر اسے صیغۂ غائب میں ٹرانسلیٹ کیا گیا ہے۔ ترجمے میں اس طرح کا تصرف مولانا امرتسریؒ کا اسلوب ہے۔ وہ ایسے موقعوں پر بالعموم ایسا ہی کرتے ہیں اور ہر جگہ وضاحت بھی کر دیتے ہیں تاکہ کوئی اسے ان کی غلطی پر محمول نہ کرے۔ یہاں بھی انہوں نے نوٹ دے دیا کہ ''اردو میں ایسا محاورہ نہیں کہ اس قدر جلدی غائب سے متکلم اور پھر غائب کیا جائے اس لئے بصیغۂ غائب ہی ترجمہ کیا گیا۔''[۸۰]

(۳۱)

افما نحن بمیتین ۝ الا موتتنا الاولیٰ۔ (الصٰفٰت ۵۸، ۵۹)

کیا (ہم نے خدا کا وعدہ نہیں پایا) پس پہلی موت کے سوا اب ہم نہ مریں گے۔ (مولانا امرتسری)

اپنے ترجمے کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا امرتسریؒ نے لکھا ہے:

''آیت موصوفہ کا ترجمہ کرنے سے پہلے اس کی نحوی ترکیب پر غور کرنا ضروری ہے۔ کچھ شک نہیں کہ ہمزۂ استفہام کبھی حرف پر نہیں آتا۔ بظاہر اس کا جو مدخول ہے وہ حرف (ف) ہے اس لئے ہمزۂ استفہام کا مدخول حقیقۃً یہ نہیں بلکہ جملہ محذوفہ ہے تقدیر کلام یوں ہے۔ الستا بمجزیین نعم فما نحن بمیتین ٥ یعنی استفہام کا تعلق پہلے جملے سے ہے جو مستفہم یا استفہام تقریری ہے اور دوسرا جملہ محل استفہام نہیں بلکہ نتیجہ ہے۔ اس ترکیب کے بعد ہمارے ترجمے پر نظر غائر ڈال لیں گے تو صحیح پائیں گے۔'' ۹۲

اس ترجمے کی وضاحت سے قبل مولانا امرتسریؒ نے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، شاہ عبدالقادر دہلویؒ، اور مولوی ڈپٹی نذیر احمدؒ کے تراجم کو کوٹ (Coute) کرکے اس پر نقد و نظر بھی کیا ہے۔ نمونہ کے طور پر شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ ذیل میں پیش کرتا ہوں۔

کیا اب ہم کو نہیں مرنا مگر جو پہلی بار مر چکے۔

بقول مولانا امرتسریؒ کے، اس ترجمہ میں استفہام ہے مگر استفہام تقریری معلوم ہوتا ہے۔ مولانا بریلوی کا ترجمہ بھی اسی ترجمے کی طرح ہے۔

''تو کیا ہمیں مرنا نہیں مگر ہماری پہلی موت''

مولانا دریابادیؒ: ''تو کیا ہم (اب) نہ مریں گے بجز پہلی بار کے مر چکنے کے۔

البتہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کا ترجمہ منفرد اسلوب میں ہے۔ جو استفہامیہ تو ہے مگر تقریری نہیں۔ ''بھلا یہ حقیقت کہ اب ہم پہلی موت کے بعد کبھی مرنے والے نہیں۔'' میرا خیال ہے کہ مولانا امرتسریؒ اگر یہ ترجمہ دیکھ لیتے تو اس کی ضرور تحسین کرتے۔ بہر حال مولانا امرتسریؒ کا ترجمہ چونکہ اصلاحیؒ کے ترجمے سے پہلے کا ہے اس لئے اسے منفرد ہونے کا اعزاز حاصل رہے گا۔

(۳۲)

و انبتنا علیه شجرة من یقطین. (الصفت ۱۴۶)

اور ہم نے اس کے قریب ایک درخت اگا رکھا تھا جو کدو کی بیل سے ڈھکا تھا۔ (مولانا امرتسری)

مولانا امرتسریؒ کے ترجمے میں شان تفرد یہ ہے کہ دیگر مترجمین نے اپنے اپنے ترجموں میں کدو یا کدو کی قسم کا درخت اگایا ہے تاکہ وہ درخت حضرت یونسؑ کو سایہ دے سکے اس حوالے سے مولانا حقانیؒ کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔ ''اور اس پر ہم نے کدو کا ایک پیڑ اگا دیا'' اور تشریح میں لکھا ہے۔ ''خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس پر چھاؤں کرنے کو کدو کی قسم سے ایک پیڑ اگایا۔ ۹۳

جبکہ اس آیت پر امرتسریؒ کا کہنا ہے:

''اس آیت میں ایک سخت مشکل ہے کہ کدو کی بیل بلند نہیں ہوتی بلکہ زمین پر پھیلتی ہے۔ اس لئے اس کا سایہ نہیں ہو سکتا۔ نیز شجرہ تنہ دار درخت کو کہتے ہیں اور کدو تنہ دار نہیں ہوتا، تیسری مشکل یہ ہے کہ علیہ

کے معنی ''اوپر'' ہیں یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ درخت حضرت یونس کے جسم پر اُگا ہو''۔ ۶۴

جس مترجم کے ذہن میں یہ اشکالات پیدا ہوئے ہوں تو ظاہر ہے کہ اس کے ترجمہ میں ان اشکالات کا حل بھی ہونا چاہئے۔ اور ہم وہ دیکھ بھی رہے ہیں کہ امرتسری صاحبؒ نے درخت بجائے اوپر اگانے کے، قریب میں اُگایا ہے۔ اور کدو کی بیل کو کسی درخت پر چڑھا ہوا مان کر ترجمہ کیا ہے تا کہ وہ درخت، بایں معنی ہو جائے جو حضرت یونس کے لئے سایہ دار بن سکے۔ اس اعتبار سے یہ ترجمہ دیگر تراجم سے منفرد ہے۔

(۴۳)

الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربھم. (المومن:۷)

جو لوگ عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے ارد گرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے ہیں۔ (مولانا امرتسری)

آیت میں موجود لفظ ''عرش'' کی وضاحت میں مولانا نے نیا نکتہ پیدا کر کے، اپنا تفرد پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''بعض محاورات میں عرش کے معنی حکومتِ الٰہیہ کے بھی ملتے ہیں۔ اس محاورے کی رو سے یہ معنی ہیں کہ جو لوگ حکومتِ الٰہیہ کے ماتحت ہیں یعنی پورے تابع ہیں اور جو اس حکومت کے قریب قریب یعنی کم رتبہ ہیں۔ ان کا ذکر ہے کہ وہ اللہ کی یاد میں لگے رہتے ہیں اور دنیائے اسلام کی بہتری کی دعا مانگتے رہتے ہیں۔ واللہ اعلم''۶۵

اس ترجمے کی نظیر، امرتسریؒ کے عہد میں کجا ہمیں تو آج کے مترجمین کے ہاں بھی نہیں ملی۔ بلاشبہ یہ ایک منفرد ترجمہ ہے۔

(۴۴)

فادعوا اللہ مخلصین لہ الدین. (المومن:۱۴)

پس تم اللہ ہی سے خالص دعا مانگا کرو۔ (مولانا امرتسری)

آیت گرامی میں الدین کو الدعاء کے معنی میں لیا گیا ہے۔ اسے بھی مولانا کا تفرد کہہ لیں۔ دیگر مترجمین کے ہاں الدین کو دعاء کے معنی میں نہیں لیا گیا ہے۔

اس ترجمے کی تائید علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے حاشیہ سے ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں ''یعنی بندوں کو چاہئے سمجھ سے کام لیں اور ایک خدا کی طرف رجوع ہو کر اسی کو پکاریں۔ ۶۶

یہ حاشیہ جس ترجمہ پر لکھا گیا ہے، وہ یہ ہے:

''سو پکارو اللہ کو خالص کر کے اس کے واسطے بندگی۔'' (محمود حسن)

اور مولانا بریلویؒ نے فرمایا ہے:

''تو اللہ کی بندگی کرو نرے اس کے بندے ہو کر''

مولانا بریلویؒ نے بھی مولانا محمود حسنؒ کی طرح الدین کو بندگی کے معنی میں لیا ہے۔

البتہ امین احسن اصلاحیؒ نے الدین کو خالص اطاعت اور عبدالماجد دریابادیؒ نے خالص اعتقاد کے معنی میں لیا ہے۔

(۳۵)

والذی نزل من السمآء مآءً بقدرٍ فانشرنا به بلدةً میتاً. (الزخرف: ۱۱)

وہی اندازہ کے ساتھ اوپر سے پانی اتار رہا ہے۔ پھر اس کے ساتھ وہ خشک مقام کو تازہ کر دیتا ہے۔
(مولانا امرتسری)

یہاں بھی مترجم قدس سرہٗ نے "فانشرنا" کو بجائے جمع متکلم میں ترجمہ کرنے کے واحد مذکر غائب میں کیا ہے۔ اور لکھا ہے "غائب سے متکلم پھر فوراً ہی غائب۔ اردو زبان میں محاورہ نہیں ملتا۔ اس لئے متکلم کے صیغے کا ترجمہ ہم نے غائب سے کیا ہے۔" ہم اس سے پہلے اس طرح کی متعدد مثالیں بیان کر چکے ہیں۔ یہ مثال بھی مولانا کے تفرد میں شامل ہے۔

(۳۶)

لجعلنا لمن یکفر بالرحمٰن لبیوتهم سقفاً من فضةٍ و معارج علیها یظهرون ۝ ولبیوتهم ابواباً وسرراً علیها یتکؤن وزخرفاً. (الزخرف: ۳۴)

تو جو لوگ خدائے رحمن سے منکر ہیں ہم ان کے گھروں کی چھتیں سونے چاندی کی بنا دیتے اور سیڑھیاں جن پر وہ چڑھا کرتے اور ان کے گھروں کے کواڑ اور تخت بھی جن پر وہ بیٹھتے ہیں۔ چاندی سونے کی بنا دیتے۔ ۴۷

اس ترجمے میں مولانا امرتسریؒ کا تفرد یہ ہے کہ انہوں نے "زخرفا" کو "فضة" پر عطف مان کر سونے کا لفظ چاندی کے ساتھ اکٹھا کیا ہے۔ جبکہ دیگر مترجمین نے بھی زخرفا کو عطف مانا ہے۔ مگر فضة کے ترجمے میں صرف چاندی کو رکھا ہے اور آخر میں جا کر سونے کو چاندی پر عطف کیا ہے۔ ایک ساتھ اکٹھا نہیں کیا ہے۔

بطور نمونہ امین احسن اصلاحیؒ کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

تو جو لوگ خدائے رحمن کے منکر ہیں۔ ہم ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی کر دیتے اور زینے بھی چاندی کے جن پر وہ چڑھتے اور ان کے گھروں کے کواڑ اور ان کے تخت بھی چاندی کے جن پر وہ ٹیک لگا کر بیٹھتے۔ اور یہ چیزیں سونے کی بھی کر دیتے۔ ۴۸

(۳۷)

حم ۝ والکتٰب المبین ۝ انا انزلنٰه فی لیلةٍ مبارکةٍ انا کنا منذرین ۝ فیها یفرق کلّ امرٍ حکیم. (الدخان: ۱ - ۴)

میں رحمن، رحیم ہوں، قسم ہے کتاب کی جو بیان کرنے والی ہے۔ تحقیق ہم نے وہ کتاب بابرکت رات میں اُتاری ہے۔ بے شک ہم لوگوں کو ڈرا دیں گے۔ اس رات میں تمام باحکمت امور کی تفصیل کی جاوے گی۔ (مولانا امرتسری)

اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ لیلۃ مبارکہ سے شعبان کے وسط کی رات کہتے ہیں۔ اس پر امام فخر الدین رازیؒ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ یہ دعویٰ کرنے والوں کے پاس کوئی معقول دلیل نہیں ہے۔

اور تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد رمضان کی لیلۃ القدر ہے۔ مولانا امرتسریؒ کا موقف یا مختار وہی ہے، جو امام فخر الدین رازیؒ اور تفسیر ابن کثیرؒ میں لکھا ہے۔ کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد رمضان کی لیلۃ القدر ہے۔ مولانا امرتسریؒ کا موقف یا مختار وہی ہے، جو امام رازیؒ اور ابن کثیرؒ کا ہے۔ کیونکہ یہی موقف محدثین اور متکلمین کے نزدیک معتبر مانا گیا ہے۔

ہم اسے مولانا کا واضح امتیاز تو نہیں کہہ سکتے تاہم مختلف فیہ معاملات میں کسی موقف کو کھل کر بیان کرنا امتیازی امر ضرور ہے۔ دوسرے یہ کہ مولانا نے "یفرق" کا معنی دیگر مترجمین سے ہٹ کر کیا ہے۔ اسے البتہ مولانا کا وصفِ تفرد قرار دیا جاسکتا ہے۔ مولانا کے بقول:

> "میں نے جو ترجمہ کیا ہے۔ آیت کا سیاق وسباق دیکھنے سے ان معنی کی تصدیق ہوسکتی ہے۔ شروع سورت سے العلیم تک قرآن مجید ہی کی تعریف ہے۔ اس سیاق پر غور کرکے تفسیر میں تفریق کے معنی جو ہم نے کیے ہیں، قابل تصدیق ہیں۔"؎

(۳۸)

انا ارسلنک شاھداً و مبشرا و نذیرا ﴿ (الفتح ۸)

(اے رسول!) ہم نے تجھکو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (مولانا امرتسری)

مولانا امرتسریؒ نے شاھداً کا ترجمہ گواہ سے کیا ہے۔ مگر یہ ترجمہ انہوں نے عام مفسرین کی رائے کے مطابق کیا ہے۔ ان کی ذاتی رائے یہ ہے۔ وہ اس آیت اور اس جیسی جملہ آیتوں میں رسول کے شاہد ہونے سے مراد حاکم اور بادشاہ کو لیتے ہیں۔ ہم نے دوسرے پارے کے شروع میں زیر آیت لتکونوا شھدا علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا ﴿ پر مفصل کلام کر چکے ہیں۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔

(۳۹)

والذین یظھرون من نسآءھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا ﴿ (المجادلہ ۳)

جو لوگ اپنی عورتوں کو ماؤں سے تشبیہ دیتے ہیں پھر وہ اپنے کہے کے خلاف کرنا چاہتے ہیں تو ایسے لوگوں پر واجب ہے کہ آپس میں ملنے سے پہلے ایک غلام آزاد کردیں۔ (مولانا امرتسری)

اس ترجمہ پر مولانا امرتسریؒ نے جو وضاحتی نوٹ لکھا ہے اس سے ان کا تفرد وامتیاز معلوم ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

> "یہ ترجمہ اور تفسیر عام رائے کے مطابق ہے۔ میری رائے اس بارے میں یہ ہے کہ یعودون لما قالوا کے معنی ہیں۔ ایک دفعہ مان کر پھر دوبارہ کہنے پر یہ سزا ہے۔ ایک دفعہ پر نہیں۔ کیونکہ عودلما قالوا کے معنی محاورۂ عرب کے مطابق یہی ہیں کہ اپنی کہی ہوئی بات کو دوبارہ کہنا یا کیے ہوئے فعل کو دوبارہ کرنا۔ چنانچہ قرآن

مجید میں یہ محاورہ بکثرت ملتا ہے۔ منجملہ یہ آیت ہے یعظکم اللہ ان تعودوا لمثلہ الم تر الی الذین نھوا عن النجوی ثم یعودون لما نھوا عنہ وغیرہ اس قسم کی مثالیں خود قرآن مجید میں بہت ہیں۔ جہاں عود لما آیا ہے۔ ان سب مقامات میں یہی معنی ہیں کہ ایک کام کرکے دوبارہ وہی کرنا، پس آیت موصوفہ کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ ایک دفعہ ماں کہہ کر باز نہیں رہتے، دوبارہ پھر کہتے ہیں ان کی سزا ہے۔ ان معنی سے پہلی دفعہ کا قول معاف ہے مگر عام مفسرین کی تفسیر سے، پہلی دفعہ بھی معاف نہیں۔ ناظرین کو جو اچھا معلوم ہو، اختیار کریں۔ ۱۷

(۴۰)

ءاشفقتم ان تقدموا بین یدی نجوکم صدقت فاذلم تفعلوا وتاب اللہ علیکم فاقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ (المجادلہ:۱۳)

کیا تم اس حکم سے ڈر گئے کہ اپنے کانا پھوسی سے پہلے صدقہ دے دو۔ پھر جب تم نے ایسا نہیں کیا اور خدا نے تمہارے حال پر نظر عنایت کی ہے تو نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ (مولانا امرتسریؒ)

اس آیت کے تحت حاشیہ میں لکھا ہے:

"پہلے حکم سے کئی دنوں بعد یہ آیت اتری۔ اس آیت کی تفسیر جو اوپر کی گئی ہے۔ عام مفسرین کی یہی رائے ہے۔ اس تفسیر کے ساتھ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حکم صدقہ کا منسوخ ہو گیا۔ میرے نزدیک اس آیت کا سیاق نسخ کے لیے نہیں بلکہ اصل حکم کو مضبوط کرنے کے لئے ہے۔ سارا دارومدار اس پر ہے کہ اذ کی جزا کیا ہے اور تفعلوا کا مفعول بہ کیا ہے۔ میرے نزدیک ترجمہ یوں ہے کہ "جبکہ تم نے باوجود نادار ہونے کے بھی کیا ہی نہیں تو بس ہمیشہ کے لیے اس فعل کو چھوڑو۔ اور نماز اور زکوٰۃ وغیرہ فرائض کی ادائیگی میں مشغول ہو جاؤ۔ اللہ اعلم" ۴۲

یہ امر قابل توجہ ہے کہ مولانا امرتسریؒ ناسخ و منسوخ کے قائل نظر نہیں آتے۔ جیسا کہ انہوں نے یہاں اپنا موقف مکمل کر بیان کیا ہے۔ اسے بھی مولانا کا مختار بلکہ امتیاز کہنا چاہیے کیونکہ جہاں اکثر علماء ناسخ و منسوخ نظریے کے قائل ہوں وہاں قائل نہ ہونا بجائے خود ایک امتیازی امر ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے آیت ماقبل (آیت ۱۲) کو، اس آیت سے منسوخ مانا ہے۔ اسی طرح عبدالماجد دریابادیؒ نے بھی۔ (دیکھیے حاشیہ ۴۰) اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے اپنی تفسیر میں اس آیت کی وضاحت کے لئے یہ ہیڈنگ ڈالی ہے۔ "ناسخ اور منسوخ دونوں یکجا ہیں"۔

(۴۱)

واذا رایتھم تعجبک اجسامھم وان یقولوا تسمع لقولھم کانھم خشب مسندۃ۔ (المنافقون:۴)

اے نبی! جب تو ان کو دیکھتا ہے تو تجھے ان کے جسم حیران کرتے ہیں، جب وہ بات کرتے ہیں تو تو ان کی بات سنتا ہے گویا وہ بہت بڑے لکڑے کے کھمبے ہیں، جس کے ساتھ لوگ تکیہ لگاتے ہیں۔ (مولانا امرتسری)

مولانا امرتسریؒ نے اپنے ترجمے کی وضاحت میں لکھا ہے:

"مسندۃ" اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ اس کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے کیا ہے "لکڑی لگائے دیوار سے" ان معنی سے ان کی جسامت اور ڈیل ڈول ثابت نہیں ہوتی کیونکہ دیوار سے پتلی لکڑی بھی لگائی جاتی ہے۔ میں نے اس کو اسم مفعول کہا ہے کہ ان کی جسامت اور ڈیل ڈول بھی ثابت ہو۔ یعنی بڑے ستون جن کے ساتھ لوگ سہارا لیں جیسے حرم کعبہ یا حرم مسجد نبوی کے کھمبے موٹے موٹے ہیں۔ ہندوستان میں ان کی مثل سری نگر کشمیر کی مسجد کے ستون ہیں۔" [۴۳]

شاہ عبدالقادرؒ کے تتبع میں خشب مسندۃ کے جو تراجم ہوئے۔ انہیں بھی ایک نظر دیکھ لیجئے۔

(۱) گویا وہ کڑیاں ہیں، دیوار سے لگائی ہوئی۔ (احمد رضا بریلوی)

(۲) تمہارے سامنے اس طرح جم کر اور ٹیک لگا کر بیٹھتے ہیں۔ گویا لکڑیوں کے کندے ہیں جو کسی سہارے کھڑے کر دیئے گئے ہیں۔ (ابوالکلام آزاد)

(۳) ان کی مثال ایسی ہے گویا وہ لکڑی کے کندے ہوں، جنہیں دیوار سے ٹیک لگادی گئی ہو۔ (اصلاحی)

(۴) گویا کہ وہ (دیوار کے سہارے) لگائی ہوئی لکڑیاں ہیں۔ (شاہ عبدالحق حقانی)

(۵) گویا یہ لکڑیاں ہیں سہارے سے لگائی ہوئی۔ (عبدالماجد دریابادی)

خُشُب خشب کی جمع ہے۔ جس کے معنی لکڑی کے ہیں۔ اور مسندۃ کا مادہ سند ہے۔ اور سَنَدَ اَسْنَدَ کسی چیز کو کسی پر تکیہ دینے کے معنی میں ہے۔ اس اعتبار سے خشب مسندۃ کے معنی دونوں طرح سے ہو سکتے ہیں۔ یعنی انہیں کسی چیز کا تکیہ یا سہارا دیا گیا یا لوگوں کو ان کا تکیہ یا سہارا دیا گیا۔ قرآن مجید کے سیاق کلام کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ معنی زیادہ موزوں ہیں۔ جو مولانا امرتسریؒ نے کئے ہیں۔ یعنی جس طرح ڈیل ڈول کے اعتبار سے وہ موثر ہیں۔ اور گفتگو کے اعتبار سے قابل سماعت تو بتایئے اس سیاق کے ساتھ انہیں خود کسی سہارے یا ٹیک لگانے والے کی مثال بنانا زیادہ موزوں لگتا ہے یا وہ مثال زیادہ بہتر لگتی ہے۔ جس میں لوگوں کو ان کا سہارا لینے یا ٹیک لگانے والا سمجھا جائے۔ بہرحال ہمارے نزدیک اس ترجمے میں مولانا امرتسریؒ کو بلاشبہ تفرد حاصل ہے۔

(۴۴)

الم تر کیف فعل ربک بعادٍ ارم ذات العماد. (الفجر: ۷)

کیا تم نے کبھی فکر نہیں کیا تمہارے پروردگار نے اس بڑی طاقتور ارم کی قوم عاد سے کیا برتاؤ کیا۔

(مولانا امرتسری)

ارم کی بابت کئی اقوال ہیں مگر مولانا امرتسریؒ کے بقول "میں نے یہ اختیار کیا ہے کہ ارم، عاد قوم کا مورث اعلیٰ تھا۔ پس ارم عاد کا بدل ہے۔ یہ نام اس طرح ہے جیسے قریش جو مورث اعلیٰ کا نام ہے مگر قوم پر بولا جاتا ہے۔" [۴۴]

مولانا نے اپنا مختار اپنے ترجمے میں نمایاں کر دیا ہے۔

اس آیت کا ایک اور ترجمہ دیکھئے جو مولانا محمود حسنؒ کا ہے۔

تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے عاد کے ساتھ وہ جو ارم میں تھے بڑے ستونوں والے۔ اس ترجمے کے ذیل میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ رقمطراز ہیں۔

> عاد ایک شخص کا نام ہے جس کی طرف یہ قوم منسوب ہوئی۔ اس کے اجداد میں سے ایک شخص "ارم" نامی تھا۔ اس کی طرف نسبت کرنے سے شاید اس طرف اشارہ ہو کہ یہاں "عاد" سے "عاد اولیٰ" مراد ہے۔ عاد ثانیہ نہیں اور بعض نے کہا کہ "قوم عاد" میں جو شاہی خاندان تھا اسے "ارم" کہتے تھے۔ واللہ اعلم۔ ۱۲

اس مطالعے میں آپ نے مولانا امرتسریؒ کے جو تفردات ملاحظہ کیے ان کے بارے میں خلاصۃً عرض ہے کہ یہ وہ تفردات ہیں جو مجھے ان کے ترجمہ میں ملے یا تفسیری ترجمے یا حواشی میں نظر آئے۔ میں نے ان کے متعلقہ مقامات سے انہیں پھولوں کی طرح چن چن کر گلدستے کی شکل دی ہے۔ اس گلدستے میں تفردات کے پھول بہت زیادہ ہیں، امتیازات و مختارات کے پھول بھی ہیں مگر بہت تھوڑے مگر ہیں سب خوشبودار اور مسحور کن۔ یہ گلدستہ قرآن فہمی کے جذبے سے تیار کیا گیا ہے۔ یہاں اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ اس طرح کے تفردات و امتیازات و مختارات دیگر مترجمین و مفسرین کے ہاں بھی موجود ہیں ارباب تحقیق اور صاحبان ذوق اگر اس طرف توجہ دیں تو قرآن فہمی کا ایک نادر و عظیم خزانہ یکجا صورت میں محفوظ ہو سکتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ ترجمہ محمود، تفسیر عثمانی، ص/۱۵، ناشر مملکۃ العربیۃ السعودیہ، سنہ اشاعت درج نہیں۔

۲۔ تفسیر فتح المنان، ص/۱۱۷، جلد اول، حدیثہ الفیصل ناشران و تاجران کتب، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار لاہور، سنہ اشاعت درج نہیں

۳۔ ترجمان القرآن جلد اول، ص/۸۰، شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز لاہور، حیدرآباد، کراچی، سنہ اشاعت درج نہیں

۴۔ ایضاً

۵۔ جلد/۱، ص/۴۳

۶۔ ایضاً

۷۔ تفسیر ثنائی، جلد اول، ص/۸۷

۸۔ جلد اول، ص/۹۰

۹۔ ترجمان القرآن، جلد اول، حاشیہ نمبر ۲۵، ص/۳۱۶

۱۰۔ ترجمان القرآن، جلد اول، ص/۴۶۲

۱۱۔ تفسیر ماجدی، ص/۸۷، حاشیہ نمبر ۵۴۴، تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی، لاہور، زیر نگرانی لاہور ہائی کورٹ، تاج آرٹ پریس کراچی، لاہور، اشاعت اکتوبر ۲۰۰۱، ایڈیشن نمبر ۴

۱۲۔ تدبر قرآن جلد اول، ص/۳۸۷، فاران فاؤنڈیشن، غیر ملزپورہ روڈ، اچھرہ، لاہور، ۱۹۸۳ء۔

۱۳_ ص/ ۲۶

۱۴_ ص/ ۳۵

۱۵_ جلد اول، ص/ ۱۳۳

۱۶_ تفسیر ثنائی، جلد اول، ص/ ۱۲۵_

۱۷_ ایضاً

۱۸_ ایضاً، ص/ ۱۳۶

۱۹_ فتح المنان، ص/ ۵۱

۲۰_ ترجمہ کنز العرفان، ص/ ۳۰۶، حاشیہ نمبر/ ۵، ناشر: المجید احمد رضا اکیڈمی، کراچی، سنہ اشاعت درج نہیں۔

۲۱_ جلد اول، ص/ ۱۳۵

۲۲_ جلد/ ۱، ص/ ۱۴۲

۲۳_ ص/ ۵۴، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی، لاہور، راولپنڈی، ۱۹۲۹ء۔

۲۴_ ص/ ۵۹۷۔

۲۵_ ص/ ۲۰۷

۲۶_ جلد/ ۳_۴، ص/ ۶۷

۲۷_ حاشیہ نمبر ۱۰۴۰

۲۸_ دیکھئے ترجمان القرآن، جلد اول، ص/ ۳۳۳

۲۹_ علمی اردو لغت (جامع) مرتب: وارث سرہندی، علمی کتاب خانہ، کبیر اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور، طبع ۲۰۰۰۔

۳۰_ جلد/ ۲، ص/ ۱۵

۳۱_ تفسیر حقانی، ص/ ۴۰۷

۳۲_ جلد/ ۲، ص/ ۹۰

۳۳_ جلد/ ۲، ص/ ۱۷

۳۴_ جلد/ ۲، ص/ ۱۳۹_

۳۵_ جلد/ ۳، ص/ ۴۴

۳۶_ جلد/ ۳، ص/ ۱۹۳

۳۷_ الاعراف/ ۱۱۰) (حاشیہ نمبر ۲۵۴) تفسیر ماجدی۔

۳۸_ جلد/ ۲، ص/ ۱۷

۳۹_ جلد/ ۵، ص/ ۳۹

۴۰_ ترجمہ قرآن، ص/ ۳۲۷

۴۱_ جلد/ ۵، ص/ ۸۳

۴۲_ ص/ ۳۸۲

۴۳_ جلد/ ۵، ص/ ۹۱

۴۴_ جلد/ ۵، ص/ ۱۸۹_

۴۵_ جلد/ ۶، ص/ ۸۔

۴۶۔ ص/۴۹۳

۴۷۔ جلد/۶، ص/۴۱

۴۸۔ جلد: ۶/ ۳۸

۴۹۔ جلد/۶، ص/۴۴

۵۰۔ ص/۵۴

۵۱۔ حاشیہ/۸۹

۵۲۔ جلد/۶، ص/۱۰۴،

۵۳۔ جلد/۶، ص/۱۹۴۔ ۱۹۶

۵۴۔ جلد/۶، ص/۵۹

۵۵۔ جلد/۵، ص/۶۸۰،

۵۶۔ جلد/۶، ص/۱۰۴

۵۷۔ جلد/۶، /۷۰

۵۸۔ مولانا امرتسری جلد/۶، ص/۱۵۷

۵۹۔ جلد/۶، ص/۱۵۸

۶۰۔ ص/۱۹۰

۶۱۔ جلد/۶، ص/۱۸۰

۶۲۔ جلد/۷، ص/۹

۶۳۔ جلد ہشتم، ص/۱۲۱

۶۴۔ جلد/۸، ص/۱۴۔

۶۵۔ ص/۶۹

۶۶۔ ص/۲۴۳

۶۷۔ جلد/۷۔ ۱۰۵

۶۸۔ جلد ہفتم ۔ص/۲۲۱۔

۶۹۔ جلد/۷، ص/۱۱۹

۷۰۔ جلد/۷، ص/۱۵۳

۷۱۔ جلد/۵، ص/۳۹،

۷۲۔ جلد/۵، ص/۳۹

۷۳۔ ۸/۶۸

۷۴۔ جلد: ۸/۱۹۳

۷۵۔ جلد/۸، ص/۹۰۷